نہیں ملتے . . .
میں تھک گیا ہوں . . ۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گیا ہوں ۔نہیں ملتے . . . مگر نہیں ملتے ۔آج جب سب سے بڑ ھ کر ساز و آہنگ کا چلن عام ہے ، لحن داؤد بہت ملتے ہیں ، مگرنغمہ داؤد نہیں ملتے ۔ انسانوں کی بڑ ائی، عظمت اوران کی محبت سے سرشار لوگ بہت ملتے ہیں ۔عشق کی آگ اورجذبوں کی حرارت کونغموں کی صورت دینے والے بہت ملتے ہیں ۔ دلربا نازنینوں کی رعنائی کو ساز و آواز کا نذرانہ عقیدت پیش کرنے والے بہت ملتے ہیں ۔ حسن و شباب کے جلو وں اور عشق و محبت کی داستانوں کو لحن وا لفاظ کے قالب میں ڈھال کر لافانی گیت تخلیق کرنے والے بہت ملتے ہیں ۔
مگر نہیں ملتے ۔بے مثل انسانوں کے باکمال خالق کی حمد کرنے والے نہیں ملتے ۔محبت کی تپش، حسن کی ادا، شباب کا خمار، ساز کا آہنگ جس نے بنایا، اس کی حمد کرنے والے نہیں ملتے ۔ مخلوق کے ہر وصف کے عاشق مل جاتے ہیں ۔آہ مگر خالق کے لامحدود جمال و کمال کے عارف ڈھونڈے سے نہیں ملتے ۔ جو عارف نہیں جو واقف نہیں وہ کیا حمد کریں گے ۔ جوجانتے نہیں بیان کیا کریں گے ۔ جنھوں نے اسے پایا نہیں وہ دوسروں کو خدا تک کیا پہنچائیں ۔ گے ۔
میں جانتا ہوں کہ اس الغنی کو اپنی تعریف سننے میں کوئی دلچسپی نہیں ، مگر میں سوچتا ہوں کہ جمال و کمال کا اس درجہ شعور رکھنے والا، حسن و ادا کا ایسا ذوق رکھنے والا انسان ، اس صاحب جمال سے اس درجہ کیسے بے نیاز ہو سکتا ہے ۔ مانا کہ ذات احد کو دیکھا نہیں جا سکتا، مگراے نادانو! مخلوق کی جن اداؤں پر تم مرمٹے ہو، اسی کے آئینے میں صاحب تخلیق کا جمال و کمال دیکھ لو۔حسن کو دیکھ لیا، گیت کو سن لیا، رنگ و مہک کو پالیا۔ . ۔ اسے بھی توجان لو جو ان کا خالق ہے ۔
آج جب سب سے بڑ ھ کر ساز و آہنگ کا چلن عام ہے ، لحن داؤد بہت ملتے ہیں ، مگرنغمہ داؤد نہیں ملتے ۔میں تھک گیا ہوں ۔ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گیا ہوں ۔مگر نہیں ملتے ۔

خواب اور شخصیت
انسان اتنا ہی بڑ ا ہوتا ہے جتنے بڑ ے اس کے خواب ہوتے ہیں ۔لیکن یہ خواب خواب ہی رہ جاتے ہیں ، اگر انسان اپنی شخصیت کو اپنے خوابوں سے ہم آہنگ نہ کرسکے ۔
اس دھرتی پر انسانیت کا وجود ایک درخت کی طرح ہے ۔درخت کا حاصل پھل ہوتا ہے یا پھول ۔باقی اجزائے درخت ہوتے ہیں جو ضروری ہوتے ہیں لیکن حاصل شجر نہیں ہوتے ۔ خواب دیکھنے والے لوگ اور اپنی شخصیت کواپنے خوابوں سے ہم آہنگ کرنے والے لوگ اس درخت کے پھل اور پھول ہیں ۔یہی لوگ انسانیت کے قافلے کو آگے بڑ ھاتے ہیں ۔یہ نہ ہوں تو یہ گلشن ہمیشہ کے لیے ویران ہوجائے ۔
خواب دیکھنے والے لوگوں کو اپنے خوابوں کی ایک قیمت دینی پڑ تی ہے ۔ یہ قیمت سب سے بڑ ھ کر اپنی ذات کی سطح پر دینی پڑ تی ہے ۔ یہ اپنی شخصیت کی تعمیر نو کرنے ، اپنے جذبات و احساسات کی تربیت کرنے ، اپنی عادات اور رویوں کی اصلاح کرنے اور اپنے

اندازفکر کی تطہیر کر کے ادا کرنی پڑ تی ہے ۔ جو لوگ یہ قیمت دے سکیں وہی قافلہ انسانیت کے امام بنتے ہیں ۔ باقی لوگ تو بس اپنی نسل بڑ ھا کر اس دنیا سے رخصت ہوجاتے ہیں ۔
خدا کی دنیا اصلاً خواب دیکھنے کی نہیں کام کرنے کی جگہ ہے ، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اعلیٰ اور تخلیقی کام وہی لوگ کرتے ہیں جو خواب دیکھ سکتے ہیں ۔خواب اینٹ ہوتے ہیں ۔جب ان کو شخصیت اور کردار کی آنچ پر پکایا جاتا ہے تو یہ پکی اینٹ بن جاتے ہیں ۔معاشروں کی تعمیر پکی اینٹیں ہی کیا کرتی ہیں ۔
آئیے خواب دیکھتے ہیں ۔ آئیے اپنی شخصیت کو کردارکی آنچ پرپکا کر وہ پکی اینٹیں بنائیں جن سے معاشرہ کی تعمیر ہوتی ہے ۔

سانحہ پیرس اور آخری جنگ

پیرس میں کل شب سواسو سے زائد لوگوں کی ہلاکت کا واقعہ ہرپہلو سے افسوسناک ہے ۔ہم دین اسلام کے پیرو ہیں جو ایک انسانی جان کے زیاں کو بھی تمام انسانیت کا قتل سمجھتا ہے ۔ اس لیے انسانیت کے ہر قتل پر ہمارا دل رنج و افسوس سے بھرجاتا ہے ۔
پیرس میں ہونے والاقتل عام اسی شیطانی منصوبے کا حصہ ہے جسے میں نے بہت تفصیل سے اپنے نئے ناول آخری جنگ میں بیان کیا ہے ۔شیطانی قوتیں اپنے اس مشن میں بالکل یکسو ہیں کہ اسلام کا پیغام انسانیت تک نہ پہنچنے پائے ۔اس کا آسان ترین طریقہ یہ ہے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان شدید نفرت اور انتقامی جذبات پیدا کر دیے جائیں ۔یہ واقعات اسی نفرت کو پھیلانے کی ایک کڑ ی ہیں ۔ تاہم شیطان اپنے اس مشن میں کبھی کامیاب نہیں ہو گا۔ اللہ نے چاہا تو اس کا دین دنیا کے ہر انسان تک پہنچ کر رہے گا۔
تاہم جو چیز انتہائی خوفناک ہے وہ یہ کہ اس پورے عمل میں شیطان مسلمانوں میں سے بعض نادانوں کو استعمال کر رہا ہے ۔وہ اسلام کے نام پر نفرت اور بے گنا ہوں کے قتل کو جائز قرار دے رہے ہیں ۔اللہ کے دین کواگر امت مسلمہ ہی بدنام کرنے لگے اور باقی لوگ خاموش رہیں تو یہ اللہ سے غداری کا وہ جرم ہے جس کی سزا تاریخ میں دو دفعہ یہود کو اور ایک دفعہ مسلمانوں کو مل چکی ہے ۔ یہ سزا جب بھی آتی ہے ، لاکھوں اور کروڑ وں لوگ مارے جاتے ہیں ۔ قرآن کریم اس باب میں بالکل واضح ہے کہ اس سزا میں گناہ گار اور بے گناہ میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔ کیوں کہ جو خاموش رہتے ہیں وہ اس جرم میں برابر کے شریک ہوتے ہیں ۔آج اگر ہم خاموش رہے تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں اللہ کے قہر سے نہیں بچا سکتی۔میری کتاب آخری جنگ اپنی قوم کو خدا کے اس قہر سے بچانے کی ایک کوشش ہے ۔کاش مسلمان شیطان کی اس چال کو سمجھ لیں اور قہر الٰہی کی زد میں آنے سے بچ جائیں ۔

تکلیف اور نتیجہ

سوال کرنے والے کا سوال ختم ہوا، مگر اہل مجلس کو سوگوار چھوڑ گیا۔سائل کی داستان

دردناک بھی تھی اور اس کے بہتے ہوئے آنسوؤں نے اس کے درد کو ہر سننے والے کے دل میں اتاردیا تھا۔ یہ شخص عارف کی مجلس میں پہلی بار آیا تھا ۔ اس کا سوال اپنی زندگی کے ان دکھوں اور محرومیوں سے عبارت تھا جس نے اس کی زندگی کو تلخیوں سے بھردیا تھا۔اس پر مزید یہ کہ قریبی رشتہ داروں کی طرف سے کی جانے والی بد سلوکی نے معاملات کواور تکلیف دہ کر دیا تھا۔

عارف حسب عادت سرجھکائے خاموش بیٹھے تھے ۔ کچھ دیر خاموشی میں گزرگئی تو ایک پرانے رفیق نے ان صاحب کو حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

آپ صبر سے کام لیجیے ۔ انشاء اللہ ساری مشکلیں ختم ہوجائیں گی۔

کب ختم ہوں گی یہ مشکلات؟ سائل نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

یہاں تو ایک مشکل آتی ہے اور ابھی جاتی بھی نہیں ہے کہ دوسری آ جاتی ہے ۔ لگتا ہے کہ مشکلات ٹوٹی ہوئی تسبیح کے دانوں کی طرح ایک ایک کر کے نکلتی چلی آتی ہیں ۔

اب یہ رفیق خاموش ہوگئے اور جواب دینے کے بجائے عارف کو دیکھنے لگے ۔ باقی اہل مجلس کی نگاہیں بھی عارف کی طرف اٹھ گئیں ۔ کچھ ہی دیر میں ان کی آواز بلند ہوئی۔

مشکلات کبھی ختم نہیں ہوتیں ۔کم یا زیادہ ، چھوٹی یا بڑ ی، پے درپے یا آہستہ آہستہ؛ یہ مشکلات ہماری زندگی کا لازمی حصہ ہیں ۔ یہ خدا کی اس ا سکیم کا حصہ ہیں جن کے تحت یہ دنیا بنی ہے ۔ اس لیے ان کو تو ختم نہیں ہونا۔

مگر میرا قصور کیا ہے ؟مجھ پر اتنی زیادہ مشکلات کیوں ہیں ؟

آپ کا کوئی قصور نہیں ۔ مشکلات کا مطلب تو یہ ہے کہ آپ اللہ کو زیادہ محبو ب ہیں ۔اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی ذات سے زیادہ قریب رکھنا چاہتے ہیں ۔اس لیے مشکلات کے اس امتحان کو مسلسل جاری رکھے ہوئے ہیں ۔البتہ ایک غلطی ہے جو آپ کر رہے ہیں ۔اس کی اصلاح کر لیجیے ۔

عارف کی بات سے سائل کی آنکھوں میں خوشی کی چمک نمودار ہوئی تھی۔اس نے فوراً کہا۔

مجھے بتائیے کہ میں کیا غلطی کر رہا ہوں ۔

دیکھیے ! انسان کا واسطہ کسی محرومی سے پڑ ے یا لوگوں کی طرف سے کسی قسم کے تکلیف دہ رویہ کا سامنا ہو، ان سے جو تکلیف محسوس ہوتی ہے وہ ہمارے دماغ میں ہوتی ہے ، ہماری نفسیات میں ہوتی ہے ۔اگر ہم اپنے دماغ اور نفسایت کو کنٹرول کرنا سیکھ لیں تو خارج کی کوئی مشکل دور ہو یا نہ ہو کم از کم اس اذیت سے ہم خود کو بچا سکتے ہیں جو خود ہم اپنے آپ کو دے رہے ہوتے ہیں ۔

سائل کی آنکھوں سے ابھی بھی سوال جھلک رہا تھا۔ عارف بولتے رہے ۔

کسی نوجوان لڑ کی کو جس کی ابھی ابھی شادی ہوئی ہو، کوئی تکلیف دہ مرض ہوجائے تو وہ کیسی اذیت میں آجائے گی۔اس کا اندازہ ہر شخص کرسکتا ہے ۔ مگر ہم سب جانتے ہیں کہ شادی کے بعد بچیاں حاملہ ہوتی ہیں ۔ وہ نو مہینے تک حمل کی تمام سختیاں اور ولادت کا اذیت ناک مرحلہ جھیلتی ہیں ۔ مگر کیا وہ نفسیاتی طور پر پژمردہ اور پریشان ہوتی ہیں ۔ہرگز نہیں ۔ بلکہ کسی بچی کو شادی کے کچھ عرصے بعد تک حمل نہ ٹھہرے تو وہ پریشان ہوجاتی ہے اور ہزار علاج کر کے اس مرحلے تک پہنچنے کی کوشش کرتی ہے ۔آخر کیوں ؟

ظاہر ہے کہ بچوں کی خوشی کو حاصل کرنے کے لیے ؟سائل نے فوراً جواب دیا۔

ہاں اس کی نظر نتیجے پر ہوتی ہے ۔تو پھر آپ بھی نظر نتیجے پر رکھیں ۔ یہ مشکلات اور

مسائل وہ حمل ہے جس سے جنت کی اعلیٰ ترین نعمتوں کا نتیجہ نکلے گا۔ جب آپ اس رخ سے معاملے کو دیکھنے لگیں گے تو پھر آپ کوبھی یہ تکلیفیں بری نہیں لگیں گی۔آپ کا زاویہ نظر بدلے گا اور پھر ہر تکلیف آپ کے ذہن کو اذیت دینے کے بجائے خوشی دینے کا سبب بن جائے گی۔
عارف کی بات ختم ہوئی اور سائل کے چہرے پر اطمینان کی لہر چھائی۔

نظام اورافراد
ایک زمانے میں پاکستان میں ٹیلیفون لگوانا اور خراب ہونے کی صورت میں اسے ٹھیک کرنا بڑ ا مشکل مرحلہ ہوا کرتا تھا۔ تاہم پھر پی ٹی سی ایل کو پرائیویٹائز کیا گیا۔اس نجکاری کے بعد نئے مالکان کے لیے منافع کے حصول کا ذریعہ یہی تھا کہ لوگ زیادہ سے زیادہ فون استعمال کریں ۔ چنانچہ اس کے بعد نیا فون لگوانا اور خرابی کی شکل میں اسے ٹھیک کرانا بہت آسان کر دیا گیا۔آپ آج فون کریں فوراً آپ کے ہاں فون لگ جائے گا۔ فون اگر خراب ہے تو شکایت ایک مرکزی جگہ رجسٹر ہوتی ہے ۔ پھر مقامی ایکسچینج کو یہ شکایت بھیجی جاتی ہے ۔ دوسری طرف جب تک صارف یہ تصدیق نہیں کر دیتا کہ شکایت ٹھیک ہوگئی ہے ، مرکزی جگہ سے اس سے روزانہ رابطہ کر کے صورتحال معلوم کی جاتی ہے ۔
اس کے بعد مقامی سطح پر کام کرنے والے چاہیں بھی تو سستی کر کے معاملے کو طول نہیں دے سکتے ۔تاہم اس کے باوجود بعض دفعہ کئی دنوں بعد ہی شکایت ٹھیک ہوتی ہے ۔اس کے برعکس بعض مقامات پر لائن مین علاقے کے لوگوں کو اپنا نمبر خود دے دیتے ہیں ۔ چنانچہ کسی خرابی کی شکل میں لوگ لائن مین سے رابطہ کرتے ہیں ۔ وہ اسی علاقے میں موجود ہوتا ہے اس لیے اکثر ایک دوگھنٹہ میں فوراً آ جاتے ہیں اور مسئلہ ہاتھ کے ہاتھ ٹھیک کر دیتے ہیں ۔مسئلہ حل کرنے کی پہلی قسم ایک اچھے نظام کا نتیجہ ہے ۔ لیکن مسئلہ حل کرنے کا دوسرا طریقہ نظام کے بجائے مستعد اور اپنے کام سے مخلص لوگوں کے ذریعے سے مسئلہ حل کرانے کا عمل ہے ۔ یہ طریقہ ہر اعتبار سے ایک بہتر طریقہ ہے ۔
دنیا میں مسائل حل کرنے کے لیے یہی دو اچھے ماڈل ہیں ۔ ایک ماڈل اچھے نظام سے مسائل حل کرتا ہے ۔دوسرا ماڈل افراد کے اندر احساس ذمہ داری پیدا کر کے مسائل حل کرتا ہے ۔ لیکن دوسرا نظام مسائل کو بہتر انداز سے حل کرتا ہے ۔
قرآن مجید کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ وہ زندگی کے بارے میں بہت سی اصولی ہدایات اور رہنمائی دیتا ہے جنھیں شریعت کے قوانین کہا جاتا ہے ۔ لیکن وہ زندگی میں بہتری لانے کے لیے اسی دوسرے ماڈل کو استعمال کرتا ہے ۔ یعنی افراد کے اندر احساس ذمہ داری پیدا کر کے اور ان کی بہتر تربیت کر کے انھیں ایسا بنادیا جائے کہ وہ کہے بغیر اپنی ذمہ داری کو پورا کریں اور کسی دنیوی صلے اور داد کی توقع کیے بغیر صرف اللہ کی رضا اور آخرت کی کامیابی کے لیے مخلوق کی خیر خواہی کرنے والے بن جائیں ۔
یہ دوسرا ماڈل قرآن مجید کی اخلاقی تعلیمات سے پیدا ہوتا ہے ۔ اس تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ بندہ خود کو خدا نہ سمجھے بلکہ بندگی کی نفسیات میں جیے ۔ وہ مخلوق کے لیے سراپابھلائی

ہو۔ وہ اپنی ذمہ داری سے بڑ ھ کر کام کرنے کا عادی ہو۔ وہ دوسرے کے حقوق پورے پورے ادا کرنے پر یقین رکھتا ہو اور جہاں ممکن ہو وہ ان کو ان کے حق سے زیادہ دینے کا عادی ہو۔ وہ ضعیف والدین کی اس وقت خدمت کرتا ہے جب ان سے کچھ ملنے کی امید نہیں ہوتی۔ وہ ان مسافروں سے بھلائی کرتا ہے جو اس کو بدلہ نہیں دے سکتے ۔ وہ مسکین اوریتیم جیسے کمزور طبقات پر خرچ کرتا ہے جو بدلے میں دعا کے سوا اس کو کچھ نہیں دے سکتے ۔

ایسا شخص معاشرے کی طرف سے عائد کردہ ہر ذمہ داری کو ایک مقدس عہد اور امانت سمجھ کر پورا کرتا ہے ۔وہ سماجی اصولوں اور ملکی قوانین کی حتی الامکان پابندی کرتا ہے ۔وہ ظلم اورزیادتی کی ہر قسم سے خود کو دور رکھتا ہے ۔وہ ضبط نفس سے کام لیتا اور روایات کی پاسداری کرتا ہے ۔

یہی وہ ماڈل ہے جس کے مطلوبہ لوگ کسی بھی معاشرے کو جنت کا نمونہ بنادیتے ہیں ۔ جبکہ ایسے لوگوں کے بغیر دنیا کا ہر نظام آخر کار ناکام ہوجاتا ہے ۔

اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت

قرآن مجید میں جگہ جگہ مسلمانوں کو ایک حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ اس کا مفہوم عام طور پر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ کی اطاعت سے مراد قرآن کریم ہے اور رسول کی اطاعت سے مراد سنت کی پیروی ہے ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن و سنت ہی دین کے ماخذ ہیں جہاں سے دین سمجھا اور بیان کیا جاتا ہے ، تاہم ہمارے نزدیک یہ آیت اس امر کا بیان نہیں کرتی۔ قرآن ہو یا سنت دونوں کا سرچشمہ دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و الا صفات ہے ۔ اللہ کو کسی نے نہیں دیکھا۔ اس کا پیغام کسی عام انسان پر نہیں اترا۔یہ دراصل انبیا علیھم السلام ہی کی ہستیاں ہوتی ہیں جن کو مخاطبہ الٰہی کے شرف سے نوازا جاتا ہے اور وہی اللہ کی طرف سے مخلوق سے کلام کرتے ہیں ۔

چنانچہ یہی وہ بات ہے جسے قرآن مجید میں کئی مقامات پر اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور نبی لوگوں کے درمیان بھیجتے ہیں اور پھر یہی مقدس شخصیات اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچاتے ہیں ۔ وہ جس کو قرآن کہہ دیں وہ قرآن بن جاتا ہے ۔ جس کو دین کہہ دیں وہ دین بن جاتا ہے ۔جس کو سنت بنادیں وہ سنت بن جاتی ہے ۔ جس کو حلال کہہ دیں وہ حلال اور جس کو حرام کہہ دیں وہ حرام قرار پاتا ہے ۔ چنانچہ اس دنیا میں انسان اصل میں انبیا ء علیھم السلام ہی کی پیروی کے پابند ہیں ۔ ایسے میں رسول کی اطاعت کے ساتھ اللہ کی اطاعت کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔

اگر یہ بات درست ہے تو سوال پھر یہ ہے کہ رسول سے قبل اللہ کی اطاعت کے ذکر کی کیا ضرورت ہے ۔ہمارے نزدیک دراصل اس طرح کی آیات جس بنیادی اور باریک چیز کو نمایاں کرتی ہیں وہ یہ ہے کہ حضرات انبیا علیھم السلام نبی ہونے کے ساتھ ساتھ انسان ہوتے ہیں ۔ وہ اپنے معاشرے کے ایک بزرگ بھی ہوتے ہیں ۔اپنے ماننے والوں میں ان کی حیثیت ایک سردار کی ہوتی ہے اور بارہا وہ اقتدار پر بھی فائز رہے ۔

نبی ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ان سب حیثیتوں میں کلام بھی کرتے ہیں ۔ حکم بھی دیتے ہیں ۔
لوگوں کو بعض امور سے منع بھی کرتے ہیں ۔ بہت سے فیصلے بھی کرتے ہیں ۔رسول کی
اطاعت سے قبل اللہ کی اطاعت کا ذکر دراصل یہ بتاتا ہے کہ ان تمام حیثیتوں میں وہ حجت نہیں ۔
بلکہ ان کی اطاعت اسی صورت میں لازمی ہے جب وہ کسی حکم کو اللہ کے حکم کے طور پر
بیان کریں ۔ گویا کہ کسی بات کو وہ جب دین بنا کر پیش کریں تو اس کی اطاعت لازمی ہوجاتی
ہے ۔ کیونکہ اس دنیا میں اللہ کی ہستی ہی وہ ذات ہے جو اصلاً ہر اطاعت کا مرجع اور ماخذ ہے
۔ اس کے سوا کسی کو مستقل بالذات ایسا کوئی اختیار حاصل نہیں ۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہوتو
پھر یہ شرک ہے ۔
اس بات کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعبیر نخل کے مشہور واقعے میں خود
سمجھایا ہے ۔ ہجرت کے بعد آپ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے وہاں کے لوگوں
کوکھجوروں کی پیوندکاری کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ تم یہ نہ کرتے تو بہتر تھا۔لوگوں نے
آ پ کی بات پر عمل کیا تو فصل کم آئی۔لوگ یہ مسئلہ آپ کے پاس لے گئے تو آپ نے فرمایا کہ
میں تو ایک بشر ہوں ۔ جب دین کے بارے میں تمھیں کسی بات کاحکم دوں تو اسے قبول کر لو
اور اگر میں اپنی رائے سے کسی بات کا حکم دوں تو میں بشر ہوں ۔اسی واقعے سے متعلق ایک
دوسری روایت کے مطابق آپ نے فرمایا کہ جب میں اللہ کی طرف منسوب کر کے کوئی بات
کروں تو اسے لازماً پکڑ لو، (مسلم رقم :2361-2362)۔
چنانچہ ہمارے نزدیک رسول کی اطاعت کے ساتھ اللہ کی اطاعت کا ذکر بڑ ے لطیف طریقے
سے یہ واضح کرتا ہے کہ حضور کی اطاعت دین کے معاملات ہی میں لازم ہے ۔ آپ کا لباس،
غذا، رہن سہن، تمدنی معاملات وغیرہ میں آپ کی پیروی کسی شخص کا اظہار محبت اور ذوق
تو ہو سکتا ہے ، مگر ایسی کوئی چیز دین نہیں ہوتی ، نہ بطور دین اس کی اطاعت کی دعوت
دینا درست ہے ۔

سوال وجواب

ابویحییٰ

حضور کی محبت اور فقر و فاقہ
سوال:
السلام علیکم
سرمیں نے آج ایک حدیث پڑ ھی ، برائے کرم اس کا مطلب سمجھا دیجیے ۔
''ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا، اے اللہ کے رسول مجھے آپ
سے محبت ہے ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تنبیہ فرمایا ، دیکھو کیا کہہ رہے ہو !۔ اس نے
پھر عرض کیا کہ مجھے آپ سے محبت ہے اور آپ نے پھر فرمایا، دیکھو کیا کہہ رہے ہو!۔
ایسا تین بار ہواپھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اگر تمہیں مجھ سے محبت ہے تو
پھر اپنے آپ کو فقر کے لیے تیارکر لو۔''(سنن الترمذی، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ7)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سعید خذری ؓسے فرمایا، تم میں سے جو مجھ سے محبت

کرتے ہیں ان کی طرف فقر اس طرح آتا ہے جیسے پانی پہاڑ کی چوٹی سے نیچے کی طرف آتا ہے ۔(سنن الترمذی، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 7)، عمران خالد
جواب:
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
محترمی ، ایسی احادیث اگر سند کے لحاظ سے ٹھیک ہوں تب بھی دین کی نمائندہ تعلیم کے بیان کے لیے نہیں ہوتیں ۔ ہم سب جانتے ہیں کہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان(اور دیگر بہت سے صحابہ کرام) رضی اللہ عنھم امیر تھے ۔لیکن کون اس بات کا دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ ان اصحاب سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں توروم اور فارس کی فتح کے بعد تمام اصحاب ہی دولتمند اور امیر ہو گئے تھے ۔ تو کیا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں کرتے تھے ؟لہٰذا میری عاجزانہ رائے میں ایسی احادیث میں بیان کردہ ایسے معاملات اگر سند کے پہلو سے درست بھی ہوں (خیال رہے کہ امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے)تو بھی وہ مخصوص حالات سے متعلق تھے ۔ ہم جانتے ہیں کہ ہجرت کے ابتدائی دنوں میں مسلمانوں کے حالات اچھے نہیں تھے ، مسلمانوں کے مالی حالات توفتح خیبر کے بعد ہی اچھے ہوئے ، ممکن ہے کہ یہ بات ایسے کسی موقع پر کہی گئی ہو۔ اس کا دین کی عمومی تعلیم سے کوئی تعلق نہیں ۔

شرط لگانے کی حیثیت
سوال:
السلام علیکم
سربرائے کرم یہ بتائیے کہ ہمارے دین میں شرط لگانا کیوں حرام ہے ؟ ناعمہ
جواب:
قرآن مجید میں اکل اموال باطل کو حرام کہا گیا ہے ، (البقرہ 188)۔ اسی باطل مال کی ایک قسم وہ ہے جو جوے سے حاصل ہوتی ہے جسے سورہ مائدہ میں گندے شیطانی کام قرار دیا گیا ہے (مائدہ 90)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں کسب کا انحصار سر تا سر بخت و اتفاق پر ہوتا ہے ۔ شرط لگا کر پیسہ کمانا اسی جوے کی ایک ضمنی قسم ہے ۔ جس میں مال کا حصول صرف بخت و اتفاق پر ہوتا ہے ۔ اسی کو سٹے بازی بھی کہتے ہیں ۔ چنانچہ یہ بھی حرام ہے ۔
اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ محض بخت و اتفاق پر پیسہ کمانا کیوں ناجائز ہوتا ہے تو اس سوال کے جواب میں آپ رزق حلال کا فلسفہ سمجھ لیجیے ۔
رزق حلال کی دواساسات ہیں ایک یہ کہ اس میں انسان لوگوں سے ان کا مال لے کر ان کی کوئی ضرورت پوری کرتا ہے ۔ یہ ضرورت ان کی کسی مطلوبہ شے کی فراہمی کی شکل میں بھی ہو سکتی ہے اور کسی قسم کی خدمت و اعانت کی شکل میں بھی ہو سکتی ہے ۔ دوسری بنیاد یہ ہے کہ اس میں فریق ثانی پر کسی قسم کا ظلم و زیادتی اور دھوکہ وغیرہ نہیں ہوتا۔ یہی دو چیزیں کسی کسب کو کسب حلال بناتی ہیں ۔
اس پہلو سے شرط یا جوے اور سٹے پر غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ یہ مال کے عوض کسی ضرورت اور خدمت کی فراہمی کا عمل ہرگزنہیں ۔ بلکہ ایک نوعیت کا ظلم ہے کہ محض بخت و اتفاق کی بنیاد پر کسی شخص کو اس کے مال سے محروم کر دیا جائے ۔ چنانچہ نہ مال کمانے

والا کوئی ضرورت پوری کرتا ہے نہ مال ہارنے والا کچھ حاصل کرپاتا ہے ۔ چنانچہ ہر دو پہلوسے یہ رزق حلال نہیں بلکہ حق تلفی اور ظلم پر مبنی ہے ۔

شرط لگانے کے نقصانات

سوال:

سر شرط لگانے کا نقصان کیا ہے ؟جیسے شراب کے بہت نقصانات ہیں کسی غیر مسلم کو بھی بتاؤ تو مان جائے ۔اسی طرح شرط کا نقصان کیا ہے ۔برائے کرم اس کا کوئی Logical جواب بتائیے ۔ نیز اگر شرط لگا کر کرکٹ کھیلی جائے تو کیا وہ درست ہے ؟ ناعمہ

جواب:

دیکھیے اس کا نقصان یہ ہے کہ لوگ اسے مال کمانے کا آسان ذریعہ سمجھتے ہیں ۔ اور رفتہ رفتہ محنت و مشقت کو چھوڑ دیتے ہیں ۔ بلکہ اپنی جان مال اور عزت کو نقصان پہنچانے پر آمادہ ہوجاتے ہیں ۔ لوگوں میں باہمی جھگڑ ا شروع ہوجاتا ہے ۔ اسی لیے قرآن نے جوئے کو گندا شیطانی کام کہا ہے ۔

اگر کرکٹ کی دونوں ٹیمیں پیسے جمع کریں اور جیتنے والی ٹیم کو بطور انعام یہ رقم دے دی جائے تو پھر یہ شرط نہیں رہی، انعام ہو گیا۔ اس میں کوئی قباحت نہیں ۔ شرط وہ ہوتی ہے جو آج کل کرکٹ میں سٹہ کے طور پر کھیلا جاتا ہے ۔ اس کا نقصان آپ دیکھ لیجیے کہ کس طرح سٹہ باز کرکٹرز کو خرید کر ان سے بے ایمانی کرواتے ہیں اور پھر لوگ ہمارے بعض کھلاڑ یوں کی طرح دنیا بھر میں ذلیل ہوتے ہیں ، جیل جاتے ہیں اور ملک و قوم کو بدنام کرتے ہیں ۔ سٹہ کے اس سے بڑ ے عملی نقصان کی مثال اور کیا دی جا سکتی ہے ؟

مزید یہ کہ ہر غلط کام کا فوری غلط نتیجہ اس دنیا میں نہیں نکلتا۔ کوئی شخص اگرکسی خاتون سے زنا کرے تو ممکن ہے کہ اسے اس کا فوری کوئی برا نتیجہ نظر نہ آئے بلکہ یہ ایک مزیدار کام لگے گا۔ اسی طرح ہو سکتا کہ دس اور لوگوں کو زنا کرنے کا کوئی نقصان نہ ہو اور سارے مرد و عورت خوش رہیں ، مگر ہم سب جانتے ہیں کہ اس کے بعد جسمانی بیماریاں بھی پھیلتی ہیں اور خاندان بھی تباہ ہوتے ہیں ۔ اصول سمجھ لیں کہ یہ دنیا آزمائش کے اصول پر بنائی گئی ہے ۔ یہاں اگر ہر گناہ کا فوری نقصان سامنے آجائے تو کوئی بھی گناہ نہیں کرے گا۔ پھر جنت کا بدلہ کس بات کا؟

سلسلہ روز و شب

ابویحییٰ

انسانی شخصیت تین پہلو

دین اور نارمل لوگ

میرے ایک عزیز دوست انگلینڈ میں رہتے ہیں ۔پیشے کے لحاظ سے ڈاکٹر ہیں اور دین کی محبت اور نصرت کا گہرا جذبہ رکھتے ہیں ۔ان سے ایک دفعہ فون پر اہل دین کے رویوں کے

متعلق گفتگوہورہی تھی تو میں نے ان سے کہا کہ اگر اللہ نے اپنا فضل فرما کر جنت میں جانے کی اجازت دے دی تو ایک سوال اللہ تعالیٰ سے ضرور کروں گا۔ وہ یہ کہ پروردگار آپ کو اپنے دین کا کام کرنے کے لیے کیا کچھ نارمل لوگ نہیں ملے تھے ؟
یہ ایک لطیف بات تھی جس پر میرے دوست خوب محظوظ ہوئے ۔ لیکن درحقیقت اس لطیف بات میں ہمارا ایک المیہ پوشیدہ ہے جس کی گہری سماجی اور نفسیاتی وجوہات ہیں ۔یہ وجوہات سمجھ لی جائیں اور دین کی حقیقی تعلیم کا شعور عام ہوجائے تو بلاشبہ پھر دین سے وابستہ لوگ اعلیٰ ترین انسانی شخصیات کے روپ میں سامنے آتے ہیں ۔ آج کے کالم میں میری کوشش ہو گی کہ اس نازک مسئلے کی وضاحت اور حل پر گفتگو کی جائے ۔
مذہب کی ضرورت
مذہب انسان کی بنیادی ضرورت ہے ۔یہ دو پہلوؤں سے انسانوں کے مسائل حل کرتا ہے ۔ ایک طرف یہ انسان کے ان عقلی سوالات کے بہت فطری جوابات دیتا ہے جو کائنات کی تخلیق، دنیا میں انسان کی موجودگی، تمام مظاہر فطرت اور موجودات اور انسانیت کے ماضی اور مستقبل کے حوالے سے اس کے ذہن میں موجود ہوتے ہیں ۔ہمیں کس نے بنایا۔ دنیا کو کس نے بنایا ۔ مرنے کے بعد کیا ہو گا اور اس نوعیت کے بہت سے سوالات کے سیدھے سادھے جوابات ہیں جو مذہب کے ذریعے سے ہمیں ملتے ہیں ۔
مذہب کی ایک دوسری اہمیت یہ ہے کہ یہ انسان میں پائی جانے والی روحانی پیاس کا واحد جواب ہے ۔ اس کی طلب انسان کی فطرت میں موجود ہے ۔ اس کے بغیر زندگی میں ایک ایسا خلا پیدا ہوجاتا ہے جسے دنیا کی کوئی اور شے کبھی پورا نہیں کرسکتی۔ اس پہلو سے مذہب ہر انسان کی ایک روحانی ضرورت ہے جس سے مفر ممکن نہیں اور انسان ہمیشہ مذہب کے قریب آ کر سکون محسوس کرتا ہے ۔انسان مادیت میں کتنی ہی لذت محسوس کرے ، وہ یہ چاہتا ہے کہ کچھ نہ کچھ وقت وہ خالص روحانیت کے لیے وقف کرے ۔ چاہے اسے اپنا پیسہ خرچ کرنا پڑ ے ، وقت دینا پڑ ے یا کچھ لوگوں کو اپنے رہنما تسلیم کرنا پڑ ے ۔
مذہب کا یہ دوسرا پہلو ان لوگوں کے لیے بہت زیادہ اہم اور باعث کشش ہوجاتا ہے جن کی زندگی مختلف مسائل میں گھری ہوئی ہو۔ جو نفسیاتی سطح پر گہری ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئے ہوں ۔ جنھوں نے محرومی اور مایوسی کا تجربہ بہت قریب سے کیا ہو۔ایسے لوگ بہت تیزی سے مذہب کے قریب آتے ہیں اور اس کے دامن میں آ کر بہت روحانی سکون محسوس کرتے ہیں ۔
اس کی ایک سادہ ترین مثال یہ ہے کہ موت جو اس دنیا میں سب سے بڑ ی مصیبت اور محرومی کا نام ہے ، جب وہ کسی خاندان کا رخ کرتی ہے اور خاندان کے کسی فرد کا انتقال ہوجاتا ہے تو تمام گھروالے چاہے کتنے ہی مادیت پرست کیوں نہ ہوں ، ایک دن ہی کے لیے سہی مذہبی ہوجاتے ہیں ۔اس روز کوئی میوزک پروگرام نہیں ہوتا۔ کوئی پارٹی نہیں ہوتی۔نماز، قرآن، تسبیح اور ذکر کی صدا اس گھر کی فضاؤں میں گونجنے لگتی ہے ۔لوگ ان میں آ کر خود کو بہت محفوظ سمجھنے لگتے ہیں ۔ مذہب ان کے دکھوں کو کم کر دیتا ہے ۔یہی معاملہ تمام مسائل زندگی کا ہے ۔ جب انسان مسائل و مصائب میں گھر جاتا ہے تو مذہب اور خدا انسان کی آخری پناہ گاہ بن جاتے ہیں اور یہ روحانی مرہم اس کے زخموں کو مندمل کرنے لگتا ہے ۔
مذہب اور شخصیت

اکثر لوگوں کے لیے یہ کیفیت عارضی ہوتی ہے ۔ مگر کچھ لوگ مذہب کے قریب آ کر اس کے عطا کردہ سکون اور اس کے پیغام سے اس طرح متاثر ہوتے ہیں کہ ساری زندگی اس دائرے سے نکل نہیں پاتے ۔وہ معروف معنوں میں ایک مذہبی انسان بن جاتے ہیں ۔یہاں تک تو خیر کوئی مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک اچھی چیز ہے ۔ تاہم بدقسمتی سے ہمارے ہاں مذہب کی تعلیم اپنی حقیقی اسپرٹ کے ساتھ موجود نہیں ہے ۔مذہب کے اصل مطالبات کو چھوڑ کر کچھ ظاہری اعمال، کچھ ظاہری حلیہ ، کچھ خاص رسومات و نظریات دین کے نام پر موجود ہیں ۔ لوگ انھی کو دین سمجھ کر اختیار کر لیتے ہیں اور انھی کی دعوت دوسروں کو دینا شروع کر دیتے ہیں ۔ مگر بدقسمتی سے اس ظاہری دین داری کا کوئی اثر ان کی شخصیت پر نہیں پڑ تا۔ ان کی شخصیت اپنی تمام تر خرابیوں کے ساتھ وہیں موجود رہتی ہے ۔یہ مجروح، ناقص اور ٹوٹی پھوٹی شخصیت مزید ان خرابیوں کا شکار ہوجاتی ہے جو ظاہر پرستانہ دینداری کے نتائج ہوتے ہیں ۔ جس کے بعد یہی وہ شخصیت ہے جو دین کی نمائندہ بن کر انسانیت کے سامنے مذہب کا تعارف کراتی ہے ۔جس کے بعد مذہب کے نام پر معاشرے میں وہ ساری خرابیاں جڑ پکڑ تی ہیں جن کا مشاہدہ آئے روز ہمیں ہوتا ہے ۔نئے لوگ اپنے مسائل کو لے کر جوق در جوق ان پرانے دینداروں کے پاس آتے ہیں اور یہ پرانے دین دار ان کی شخصیت کی اصلاح کرنے کے بجائے اپنی شخصیت کی خرابیاں بھی ان میں منتقل کر دیتے ہیں ۔ جس کے بعد پھر وہ بات آتی ہے جس کا شروع میں ذکر ہوا کہ کیوں دین کے حصے میں کوئی نارمل انسان نہیں آتا۔

حقیقی دین اور شخصیت کی اصلاح

اس کے برعکس دین کی اصل تعلیم کا یہ کمال ہے کہ ایک طرف وہ ایمانیات کی شکل میں انسان کے تمام عقلی سوالات کا بہترین اور معقول جواب دیتی ہے اور دوسری طرف اس کی اخلاقی تعلیم اگر درست طرح اختیار کر لی جائے تو انسانی شخصیت کی تمام خرابیوں کو دور کر دیتی ہے یا پھر ا ن کے اثرات بہت کم کر دیتی ہے ۔یہ اخلاقی تعلیم کیا ہے ، اس وقت یہ میرا موضوع نہیں ہے ۔ اپنی کتا ب قرآن کا مطلوب انسان میں اس خاکسار نے بہت تفصیل سے قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کو بیان کیا ہے ۔ سردست جو چیزمجھے بیان کرنا مقصود ہے وہ اس تعلیم کو اختیار کرنے کے نتیجے میں انسانی شخصیت پر ہونے والے مثبت اثرات ہیں ۔ میرے نزدیک یہ اثرات تین پہلوؤں سے انسانی شخصیت کو بہتر بناتے ہیں ۔یعنی یہ ہمارے طرز فکر، طرز زندگی اور طرز عمل کو بدل کر رکھ دیتے ہیں ۔ان کی تفصیل درج ذیل ہے ۔

طرز فکر کی تبدیلی

دین اپنی اصل کے لحاظ سے ایک طرز فکر کا نام ہے ۔ مذہبی اصطلاح میں یہ ایمان کہلاتا ہے ۔ ہمارے ہاں بدقسمتی یہ ہے کہ جب کوئی شخص دین کی طرف آتا ہے تو وہ ایمان لانے کے اس عمل سے سرے سے گزرتاہی نہیں ہے جس کی تفصیل سے قرآن مجید بھرا ہوتا ہے ۔ یہاں دیندار ہونے کا مطلب اصلاً کسی خاص فرقے یا گرو پ سے وابستہ ہونا ہوتا ہے ۔ جبکہ قرآن مجید کے نزدیک ایمان یہ ہے کہ انسان ایک مادی دنیا میں رہ کر ایک غیر مادی دنیامیں جینے کے قابل ہوجائے ۔ خدا کی نظر نہ آنے والی ہستی اس کی زندگی کا مرکزی خیال بن جائے ۔ رسول کی پیروی اس کی زندگی کا مقصد بن جائے ۔جنت و جہنم کی ان دیکھی دنیا اس کے ہر عمل کا محور و مرکز بن جائے ۔ انسان لوگوں کے ہجوم میں خدا کے فرشتوں کو چلتا پھرتا دیکھ لے ۔کتاب الٰہی اس کے نزدیک سچائی جاننے کا سب سے بڑ ا ماخذ بن جائے ۔ زندگی کی

ہر کامیابی اور ناکامی میں اس کا پیمانہ یہ ہو کہ آخرت میں اس کامیابی کا مطلب کیا ہے اور اس ناکامی کا اثر وہاں کیا ہو گا۔
یہ ایمان جس شخص میں پیدا ہوجائے ، اس کے طرز فکر میں ایک انتہائی غیر معمولی تبدیلی آتی ہے ۔ یہ تبدیلی کئی پہلوؤں سے آتی ہے ۔ مثلاً ایک پہلو یہ ہے کہ ایسا انسان ہر طرح کے مشکل حالات میں صبر اور برداشت کو اختیار کرتا ہے ۔وہ مایوس نہیں ہوتا۔ ہمت نہیں ہارتا۔ وہ مشکلات سے نکلنے کے لیے اللہ سے دعا مانگتا ہے ۔ اسے اللہ پر یقین بھی ہوتا ہے کہ وہ اسے اس مشکل سے نکالے گا۔ مگر ساتھ میں وہ ممکنہ طور پر بہترین لائحہ عمل اختیار کرتا ہے ۔ مسائل کا تجزیہ کر کے دیکھتا ہے کہ اس کے کرنے کا کیا کام ہے ۔ اس کی کیا کمزوری ہے ۔ وہ سوچتا ہے کہ کہیں یہ اللہ کی طرف سے کوئی تنبیہہ تو نہیں کہ اس کی سوچ، عمل اور رویے میں کہیں کوئی چیز اصلاح طلب ہو۔ ایسا شخص مشکل کے تمام مرحلے میں جلنے کڑ ھنے ، دوسروں کو برا بھلا کہنے ، مایوسی کا شکار ہوکر کفریہ کلمات منہ سے نکالنے کے بجائے اپنا بے رحمانہ احتساب کرتا ہے ۔ اپنی خامیوں کی نشان دہی کرتا اور اپنے عیوب کی اصلاح کا عزم کرتا ہے ۔چنانچہ مشکل تو فیصلہ الٰہی کے تحت اپنے وقت پر رخصت ہوتی ہے ۔ مگر اس مشکل کے دوران نہ صرف یہ کہ اس کا حوصلہ برقرار رہتا ہے بلکہ اس کی شخصیت سے کوئی نہ کوئی کمزوری اور عیب مشکل کے ساتھ رخصت ہوجاتا ہے ۔
تبدیلی کا دوسرا پہلو وہ ہے جب دوسروں کی طرف سے کسی مسئلے کا سامنا ہو۔ایسے میں بندہ مومن غصہ اور ردعمل میں آنے کے بجائے اسے اپنا امتحان سمجھتا اور لوگوں کے بجائے شیطان کو اس صورتحال کا ذمہ دار قرار دے کر جھگڑ ا و فساد ختم کرتا ہے ۔ و ہ لوگوں سے لڑ نے جھگڑ نے کے بجائے ان کے لیے دعا کرتا اور شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہے ۔ یوں اس کا صبر، برداشت نہ صرف آخرت میں اس کے لیے باعث اجر بنتا ہے بلکہ دنیا میں بھی برائی کے جواب میں بھلائی کی سوچ اس کی شہرت اور نیک نامی میں اضافے کا سبب بن جاتی ہے ۔
ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ ایسا مومن مستقبل کے اندیشوں پر پریشان رہنے کے بجائے ، ان کو اللہ کے حوالے کرتا اور ممکنہ حد تک بہترین پلاننگ اور غوروفکر کے بعد اپنی تیاری کرتا ہے ۔ تاہم اس کا اصل ہتھیار توکل و تفویض ہوتا ہے ۔ وہ ہر مسئلے کے حل کی کنجی اللہ کے ہاتھ میں دیکھتا ہے ۔ یہ سوچ ایسے مومن کی زندگی کو پریشانیوں سے محفوظ رکھتی ہے اور اسے ذہنی اور قلبی سکون عطا کرتی ہے ۔
ایسے مومن کی زندگی کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ وہ جانتا ہے کہ زندگی میں مسائل کبھی ختم نہیں ہوتے ۔ چنانچہ وہ مسائل کو ہمیشہ نظر انداز کرتا ہے اور ملے ہوئے ممکنہ مواقع کو استعمال کر کے اپنے وقت، مال ، صلاحیت اور توانائی کو بہترین کاموں میں صرف کرتا ہے ۔اکثرمسائل وسائل کی کمی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں ۔ چنانچہ مومن کی مستقل محنت، کام کرنے کی عادت اور مثبت کاموں کے نتیجے میں اس کے وسائل بڑ ھتے چلے جاتے ہیں ۔ جو آخرکار اس کے مسائل کے خاتمے پر منتج ہوتے ہیں ۔جبکہ اگر وہ مسائل کا رونا روتا رہتا تو مسائل نے کبھی حل نہیں ہونا تھا۔
اس ضمن کی ایک آخری بات یہ ہے کہ مومن ہمیشہ مثبت انداز فکر کے ساتھ جیتا ہے ۔وہ منفی اور مشکل حالات میں بھی ہمیشہ کوئی خیر اور موقع ہی دیکھ رہا ہوتا ہے ۔اس میں کوئی شک

نہیں کہ زندگی کی ہر مشکل میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی خیر پوشیدہ ہوتی ہے ۔ ایک مومن اپنی مثبت سوچ کی بصیرت سے ان مشکلات میں چھپی آسانی اور خیر کو تلاش کر لیتا ہے ۔ یہ چیز اس کو مشکل لمحات میں بھی ذہنی اورقلبی سکون دیتی ہے ۔مثال کے طور پر کسی مشکل میں کوئی آسانی نظر نہ آئے تو یہ کتنی بڑ ی آسانی ہے کہ اس حال میں انسان اللہ سے بے حد قریب ہوجاتا ہے ۔انسان بڑ ی سے بڑ ی نیکی کر کے بھی اللہ کی قربت کے وہ لمحات نہیں پا سکتا جو مشکلات میں پالیتا ہے ۔ قرب کے یہ لمحات اتنے قیمتی ہوتے ہیں کہ انسان دنیا و آخرت کی جو بھلائی مانگے وہ اسے دے دی جاتی ہے ۔ اس سے بڑ ی خیر اور کیا ہو گی۔

طرز زندگی کی تبدیلی

تبدیلی کا دوسرا میدان طرز زندگی یا لائف اسٹائل کا ہے ۔بندہ مومن کے لیے یہ دنیا دار العمل ہوتی ہے ، دار الجزا نہیں ہوتی۔ یہ عارضی سرائے ہوتی ہے ، رہنے کا ابدی گھر نہیں ہوتی۔ اس میں وہ ایک مکمل زندگی جیتا ہے ، مگر اس دنیا کو وہ اپنی خواہشات کی تکمیل کا میدان نہیں سمجھتا۔ وہ کھاتا پیتا، گھر بساتا اور گھر بناتا ہے ۔ مگر دنیا کو جنت بنانے کی کوشش نہیں کرتا۔وہ ذوق جمال کی تسکین کرتا ہے ، مگر عیش پسندی اور لذت پرستی کے پیچھے نہیں جاتا۔ ایسا مومن اپنے وقت کی قدر و قیمت کو محسوس کرتا ہے ۔ وہ جانتا ہے کہ زندگی کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے ۔ چنانچہ وہ تفریح کر لیتا ہے ، لطیف مشاغل کو اختیار کر لیتا ہے ، مگر لغویات میں وقت ضایع نہیں کرتا۔نماز اسے بتاتی ہے کہ تنظیم اوقات اور شیڈول بنا کر کام کرناکیا ہوتا ہے ۔ روزہ اسے بتاتا ہے کہ ضبط نفس کیا ہوتا ہے ۔ صبر کیا ہوتا ہے ۔ خواہش پر کیسے قابو پایا جاتا ہے ۔ ہر چیز جو حاصل کی جا سکتی ہے ، حاصل کرنے کی نہیں ہوتی۔

زکوۃ اسے یادلاتی ہے کہ اس کا اصل گھر آخرت ہے ، جس کی تعمیر ہر روز اور ہر برس ہورہی ہے ۔ اس تعمیر میں پیسہ چاہیے چنانچہ وہ مال خرچ کر کے فرشتوں کو اپنے اخروی گھر کی تعمیر اور اسے خوب سے خوب تر بنانے میں مسلسل مشغول رکھتا ہے ۔حج اسے بتاتا ہے کہ اس کی زندگی کا مقصد رب کے لیے جدوجہد کرنا اوراس کی مدد و نصرت کرنا ہے ۔ اسے ساری زندگی شیطان سے لڑ نا اور اسے سنگسار کرنا ہے ۔ قبل اس کے کہ شیطان اسے سنگسار کر دے ۔

چنانچہ ایمان و اخلاق کی یہ سوچ ایک ایسی شخصیت کی تعمیر کرتی ہے جس کا طرز زندگی سادہ مگر خوبصورت ہوتا ہے ۔ یہ لائف اسٹائل اپنی زندگی کو بھی بہتر بناتا ہے اور دوسروں کے لیے بھی باعث رحمت ہوتا ہے ۔ یہ صحت مندی، نظم و ضبط، محنت و جہدو جہد اور دیانت و امانت سے عبارت ہوتا ہے ۔یہی وہ طرز زندگی ہے جس کی ہمارے ہر فرد اور ہمارے معاشرے کو ضرورت ہے ۔

طرز عمل کی تبدیلی

انسانی طرز عمل ، رویہ یا behaviorوہ چیز ہے جو اصلاً ہمارا تعارف ہوتا ہے ۔ہم کیسے بولتے ہیں ۔ ہماری نشست و برخاست کیسی ہے ۔ ہم لوگوں سے کیسے معاملہ کرتے ہیں ، یہی چیزیں ہمارا تعارف ہیں ۔دین کی اخلاقی تعلیمات اور اس کی روح سے واقف شخص کے طرز فکر، طرز زندگی کے ساتھ اس کے طرز عمل میں بھی غیر معمولی تبدیلی آتی ہے ۔ یہ نرمی، محبت، حلم، کشادگی، صبر، استقامت، عفو ودرگزر، سخاوت، معقولیت، حیا، حفظ مراتب جیسی اعلیٰ اخلاقی خصوصیات پر کھڑ ا ہوتا ہے ۔ایسا شخص چھوٹے سے شفقت سے پیش آتا ہے ۔

بزرگوں کا لحاظ کرتا ہے ۔ خواتین کا احترام کرتا ہے ۔ صنف مخالف کی موجودگی میں نگاہ و جذبات کو قابو میں رکھتا ہے ۔ اختلاف کے موقع پر شائستگی کا ثبوت دیتا ہے ۔ جاہلوں سے اعراض کرتا ہے ۔ گفتگو میں سچائی اور معاملات میں عدل کا مظاہرہ کرتا ہے ۔مخالفین سے بھی انصاف کرتا ہے ۔غرض اپنی گفتگو، لب و لہجہ، ملنے جلنے ، اٹھنے بیٹھنے اور ہر قسم کے معاملات میں اس کا طرز عمل قرآن مجید کے ان اخلاقی نگینوں سے مزین ہوتا ہے جن کی روشنی سے اس کا اپنا وجود ہمہ وقت جگمگاتا رہتا ہے ۔
یہی بندہ مومن کی وہ شخصیت ہے جو دراصل حضرات انبیا کی شخصیت کی عکاس ہوتی ہے اور جو دین کا حقیقی تعارف ہے ۔نہ کہ ہمارے جیسے وہ دیندار دین کا تعارف ہیں جن کو دیکھ کر ذہن میں سوال یہ پیدا ہوجائے کہ اللہ میاں آپ کو اپنے دین کے لیے کوئی نارمل لوگ نہیں ملے تھے ۔
جہاں رہیے بندگان خدا کے لیے رحمت بن کر رہیے ، باعث زحمت نہ بنیے ۔

پروفیسر محمد عقیل

شیطان اور انسان

شیطان اور انسان کی جنگ کی ابتداآدم کی تخلیق سے پہلے ہی ہو چکی تھی جب اس نے حسد ، تکبر اور انا کے باعث خدا کا حکم ماننے سے انکارکر دیا ۔ اسی پر بس نہیں ، اس نے خدا کے ساتھ دو بدو بدتمیزی شروع کر دی۔ کبھی اس نے اپنی گمراہی کا الزام خدا پر ہی لگادیا تو کبھی اپنی فضیلت اس خدا کے سامنے نص سے ثابت کرنے لگا جس کا ہر فرمان نص ہے ۔ جب خدا نے اس سے استفسار کیا تو بجائے اس کے کہ اپنی غلطی مانتا ، وہ خدا ہی کو چیلنج دے بیٹھا ۔ اس نے مہلت مانگی اور کہا "میں انسان کے دائیں ، بائیں ، آگے ، پیچھے ، تہذیب، تمدن، آرٹ، کلچر، زبان، بیان غرض ہر جگہ سے آؤں گا اور اس کو گمراہ کر کے چھوڑ وں گا تاکہ آگ مٹی سے برتر ثابت ہوجائے ۔ "
وہ دن ہے اور آج کا دن، شیطان نے انسان کوہمہ وقت اپنا دشمن جانا اور گردانا ہے اور وہ ایک لمحے کے لئے اس دشمنی کو نہیں بھولا۔ لیکن آج کا انسان اس دشمنی کو نہ صرف بھول گیابلکہ شیطان کو اپنا خیر خواہ سمجھنے لگاہے ۔حالانکہ قرآن میں جگہ جگہ شیطان کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ یہ انسان کا کھلا دشمن ہے ۔ یہ انسان کو کامیاب ہوتے نہیں دیکھ سکتا ، یہ اپنے حسد کی آگ میں پہلے بھی جلتا تھا اور آج بھی انگاروں پر لوٹتا ہے ۔
انسان کا شیطان کو دشمن نہ سمجھنے کی کئی وجوہات ہیں ۔ ان میں ایک سب سے بڑ ی وجہ یہ ہے کہ شیطان کبھی سامنے سے وار نہیں کرتابلکہ چھپ کر کار روائی کرتا ہے ۔ اس کے دھوکا دینے کے کئی طریقے ہیں ۔ ایک طریقہ واردات یہ ہے کہ و ہ انسان کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیتا ہے کہ دین اور دنیا الگ الگ میدان ہیں اور انسان کو دینی امور میں تو شیطان سے محتاط رہنے کی ضرورت ہے لیکن دنیوی امو ر میں شیطان کا کیا لینا دینا۔
سوال یہ ہے کہ شیطان اورانسان کی دشمنی کیا صرف دینی معاملات میں ہے یا دنیاوی امور بھی

اس میں شامل ہیں ؟ ایک حاسد کا اصل مشن محسودکو ایذا میں دیکھ کر خوش ہونا ہوتا ہے اس سے قطع نظر کہ یہ دکھ کس معاملے میں مل رہا ہے ۔ لہٰذا شیطان کا مشن آخرت کے معاملات تک ہی محدود نہیں ، بلکہ یہ دنیا میں بھی انسان کو تباہ و برباداور بے چارگی کی حالت میں دیکھنا چاہتا ہے تاکہ اس کے جذبہ حسد کو تسکین ملے ۔

چنانچہ یہ سمجھنا غلط فہمی ہو گی کہ شیطان صرف مذہبی معاملات ہی میں دراندازی کرتا یا کرسکتا ہے ۔وہ عبادات میں تو انسان کو گمراہ کرتا ہی ہے ، اسی کے ساتھ ساتھ معاشرت، اخلاقیات، معیشت، معاملات غرض ہر اس راستے سے وار کرتا ہے جہاں سے انسان کا گزر ممکن ہے ۔یہی وجہ ہے کہ دنیا میں بھی بہت سی تکالیف کا سبب شیطان کی دراندازی ہی ہوتی ہے ۔ میاں بیوی میں فساد، والدین اور اولاد میں چپلقش، رشتے داروں میں دوریاں اور بزنس میں باہمی رنجشیں درحقیقت شیطان ہی کی دراندازی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں ۔ اسی طرح بڑ ے پیمانے پر قتل و غارت گری، معاشی استحصال، منشیات اور دیگر جرائم کے پیچھے بھی شیطان ہی کا ہاتھ ہے ۔

ان سب باتوں کے باوجود اللہ نے شیطان کو صرف وسوسہ انگیزی کا اختیار دیا ہے ۔ اس وسوسہ انگیزی میں شیطان نے جو گناہ کیا وہ اس کا انجام دیکھ لے گا۔ لیکن کسی بھی گناہ کو کرنے کا اصل ذمہ دار شیطان نہیں انسان ہی ہے ۔ لہٰذا کوئی بھی انسان اپنے کئے کا خود ذمہ دار ہے ۔ شیطان اور انسان کا معاملہ یوں ہے کہ کسی شخص کو اس کا دوست زنا کے لئے اکساتا اور اس کے لئے مواقع فراہم کرتا ہے ۔ یہاں تک کہ دوسرا دوست اپنی رضامندی سے زنا کا ارتکاب کر لیتا ہے ۔ اب عدالت میں اگر مقدمہ چلے تو پہلا دوست تو معاونت کے الزام میں پھنسے گا لیکن اصل مقدمہ دوسرے دوست پر چلے گا اور وہ یہ کہہ کر بری نہیں ہو سکتا کہ وہ مجبور تھا کیونکہ اسے ورغلایا گیا تھا۔

ان انفرادی سطح کے وسوسوں کے علاوہ شیطان لانگ ٹرم پلاننگ بھی کرتا ہے جو بعض اوقات سینکڑ وں سالوں پر محیط ہوتی ہے ۔ وہ اس پلاننگ میں دو کام کرتا ہے ۔ ایک تو وہ جنوں اور انسانوں ہی میں سے اپنے ہم خیال لوگ تیار کرتا ہے جو اس کا مشن آگے بڑ ھاتے ہیں ۔دوسری طرف وہ ٹیکنالوجی، تہذیب، تمدن، لٹریچر اور آرٹ وغیرہ جیسے نفع بخش امور میں دراندازی کر کے اسے انسان کو بھٹکانے کے لئے استعمال کرتا ہے ۔ مثال کے طورپر انٹرنیٹ بذات خود ایک نعمت ہے ۔ لیکن وہ اس میں عریانی، بے ہنگمی اور دنیا کی چکاچوند کو نمایاں کر کے اسے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتا ہے ۔

کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ ہم سب سے پہلے شیطان کو اپنا دشمن سمجھیں ، اس کی چالوں کو پہچانیں ، اس کی اکساہٹوں سے ہوشیار رہیں ۔ اگلے مرحلے میں ہم اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں اس کے شر سے محفوظ رکھے ۔اس کے بعد وہ عملی اقدام کریں جس سے شیطان کی چالیں ناکام ہوجائیں اور ہم دنیا و آخرت میں سرخرو ہوجائیں ۔

مولانا سید متین احمد

جلوۂ سحر کی ایمانی رمزیں
ہماری تیسری کلاس کی اردو کی کتاب میں اسماعیل میرٹھی کی ایک نظم ہوتی تھی"صبح کی آمد" جس کا آغاز یوں ہوتا تھا:
خبر دن کے آنے کی میں لا رہی ہوں ، اجالا زمانے میں پھیلا رہی ہوں
بہار اپنی مشرق سے دکھلا رہی ہوں ، پکارے گلے صاف چلا رہی ہوں
اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں
جب زندگی سادہ ہوتی تھی(اور دیہات کی زندگی میں بڑ ی حد تک یہ صورتِ حال اب بھی قائم ہے ۔) تو لوگ رات کو عشا کے بعد جلد سو جاتے اور صبح منہ اندھیرے اٹھتے ۔ گھر میں قرآن کی تلاوت ہوتی اور فطری انداز میں زندگی کا آغاز ہوتا۔صبح کا منظر خاص طور پر دیہات کی زندگی میں بہت ہی روح پرور اور ایمانی اسباق لیے روز حاضر ہوتا ہے ۔ مشرقی سمت سے اٹھتا نور کا ہالہ، برگد کے درختوں پر چڑ یوں کا شور، ٹمٹماتے ہوئے اخترِ صبح کا پیامِ آخریں ۔ ناصر عباس نیر نے شام کے بارے میں جو کہا ہے ، وہ صبح کے بارے میں بھی بالکل درست ہے کہ وہ ایک مصحف ہے جس کا پیغام سمجھ میں نہ بھی آئے ، تب بھی اس کی زیارت ایک برکت و سعادت سے کم نہیں ۔جوش ملیح آبادی نے ملیح آباد کی حسین صبح کو دیکھ کر کہا تھا:
ہم ایسے اہلِ نظر کو قبولِ حق کے لیے
اگر رسول نہ آتے تو صبح کافی تھی
قرآنِ کریم کائنات میں بچھے ایمانی دسترخوان کی طرف ہمیں جابجا متوجہ کرتا ہے ۔ اس دسترخوان کی اعلیٰ ترین سوغاتوں کی فہرست شمار کی جائے تو ان میں صبح کی سوغات شاید سرفہرست ہو گی، لیکن آج ہمارا طرزِ زندگی اتنا مشینی ہو چکا ہے اور ہم گلوبل دنیا میں انتہائی خبردار رہ کر بھی بے خبری کی انتہاؤں پر جی رہے ہیں ٹی وی، انٹرنیٹ، کاروبار اور کئی ہنگامہ خیز مشاغل کے بعد ہم رات گئے اس وقت بستر سے لگتے ہیں کہ جب ہنگامِ صباح میں بلالِ حبشی کا وارث اپنی ناکام کوشش سے بیدار کرتا ہے تو ہم نندیا پور کی سیر میں بدمست ہوتے ہیں ۔بازار صبح دیرسے کھلتے ہیں اور کاروبارِ زندگی تب جوبن پر آتا ہے جب سورج ڈھلنے کی تیاریوں میں ہوتا ہے ۔ایسے میں انسان کو کہاں فرصت ہے کہ وہ خاموش کائنات میں پھیلے نغمے سن سکے ، خداوندِ قدوس کا بے حجاب نظارہ جلوۂ سحر کی روپہلی کرنوں میں کرے ۔انسان کے من کی دنیا جب تک اس خاموش کتاب سے درس نہیں پاتی، ممکن نہیں کہ وہ قرآن سے سوائے الفاظ کے سیکھنے کے کچھ سیکھ سکے ۔

فرح رضوان
انفاق اور اخلاص
یہ گینز بک والے کہاں خجل ہوتے پھرتے ہیں ، آئیں ناں ذرا پاکستان اور دیکھیں کہ کیا امیر ملک ہے ہمارا، ہم تو بھائی صاحب بکروں کو کھلاتے ہیں تازے پھل، بادام اور پستے ۔ ۔ ۔ یہ الگ بات ہے کہ ہزاروں بچے اسی سرزمین پر غربت کی چکی میں ہیں پستے اور صرف

خوراک کی قلت سے بچپن ہی میں یا تو مر جاتے ہیں ، یا بیماریوں کا شکار ہو کر تڑ پتے سسکتے ۔پر کیا کریں بکرے بکتے ہیں لاکھوں کے اور یہ بچے ، کھلے عام بک بھی تو نہیں سکتے ناں !!!
اب یہ فرنگی کہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ، پھل کھانے والے بکرے کو کاٹو تو فروٹ جوس نکلتا ہے اور ڈرائی فروٹ سے بھرے جسم سے نانی کے ہاتھ کے لڈو جیسا گوشت ۔۔۔ نہ نہ نہ یہ بھی ویسے ہی کٹتا بٹتا اور پکتا ہے جیسے باقی کے چند ہزار والے عام عوامی گائے بکرے ۔۔۔ سچ میں
کسی سے کوئی جھگڑ ا نہیں ، نہ چند لاکھ کی قربانی کرنے والوں سے نہ کئی لاکھ کی شادی کرنے والوں سے ، کسی کی نیت پر شبہ بھی نہیں کہ نیتوں کا حال تو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ۔لیکن اسی اللہ تعالیٰ نے ہی ہم سب کی یہ ڈیوٹی بھی تو لگائی ہے ناں کہ ہم ایک دوسرے کو نیکی کی ترغیب دیں اور برائی سے روکیں ۔اور مشورہ وہ دیں جو خود اپنے لیے بہترین سمجھیں ۔۔۔
اگر آپ میں اللہ کی راہ میں لاکھوں قربان کرنے کا جذبہ ہے اور مویشی ہی قربان کرنے کا شوق تو اس کی ایک صورت یہ بھی تو ہو سکتی ہے کہ عید پر اعتدال میں رہتے ہوئے عمدہ جانور قربان کریں اور پھر ، ہر سال جو ہمارے ہاں سیلاب اور قحط سے غریب کسانوں ، اور دیہات میں رہنے والوں کے مویشی مر جاتے ہیں ، جن کا سرمایہ ہی یہی ہوتے ہیں روزگار کا واحد ذریعہ بھی، تو آپ ان ناداروں کو کسی بھی مہینے میں کسی بھی مویشی کا ایک ایک جوڑ ا دے دیجیے ، اس وقت اس سے متعلق حدیث کا حوالہ ذہن میں نہیں لیکن خلوص نیت سے ایسا صدقہ کرنے کا اجر بے انتہا ہے ۔
جب صرف ایک کھجور ہی صدقہ کرنے والے کے لیے خوشخبری ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے مسلسل بڑ ھاتے ہوئے پہاڑ جتنا فرما دیتا ہے ، ایک دانہ اناج کو سات سو دانے تک بڑ ھا کر اسی دنیا میں بھی لوٹا دیتا ہے تو سوچیں کہ کسی کو اس کی کھوئی پونجی لوٹا دینے سے ، اسے عزت اور خودداری سے جینے کے لیے روزگار فراہم کرنے کا کیا اجر ہو گا ؟
اور دوسرا طریقہ یہ کہ ہر ماہ آپ ٹینٹ لگائیے گائے بکرے ذبح کیجیے اور غربت کے مارے مستحقین میں تقسیم کر کے ان کو گدھے گھوڑ ے کے گوشت کھانے سے بچا لیجیے ۔
کیا اللہ تعالیٰ کے کوئی بھی وعدے ، اولاد کی کئی لاکھ یا چند کروڑ کی شادی کر دینے پر بھی ہیں ؟ کسی بھی پچھلی کتابوں یا صحیفوں میں ؟ کیا صرف مہنگا جانور قربان کرنے یا کمر توڑ رسمیں کرنے پر کہیں کسی قرانی آیت یا حدیث میں جنت کی بشارت، بخشش کی نوید، بیماری سے شفا یا بلاؤں ، مشقتوں اور آفتوں سے نجات کی کوئی ایک بھی خوشخبری دی گئی ہے ؟۔۔۔ کچھ نہیں تو مال کو محض دگنا ہی کرنے کی ؟۔۔۔ اگر نہیں تو یہ مال جو صرف اللہ کی عطا ہے جس کا حساب ہونا ہی ہے اسے صرف اپنی خواہش یا کمزوری کے سبب ہلاکت میں ڈالا جا سکتا ہے ۔اور اس کے ساتھ ہی خود کو، گھر والوں کو عزیزواقارب کوبھی؟
آپ کے پاس مال تھا آپ نے ایک غلط ٹرینڈ سیٹ کیا لوگ آپ کے پیچھے ہو لیے تو حشر کیا ہو سکتا ہے ؟آپ کے پاس مال ہے آپ نے بھلائی کی بنیاد رکھی لوگوں نے آپ کی پیروی کی تو آپ کا اجر کیا ہو سکتا ہے ؟

مضامین قرآن
ابو یحییٰ
مضامین قرآن (25)
دلائل نبوت و رسالت:قرآن مجید کا معجزہ
قرآنِ مجید کے مضامین کے ضمن میں ہم دین کی بنیادی دعوت کے دلائل کا تفصیلی بیان کر رہے ہیں ۔ ابھی تک ہم وجود باری تعالیٰ، توحید باری تعالیٰ اور آخرت کے دلائل کا مطالعہ کر چکے ہیں ۔ انشاء اللہ اب ہم اللہ رب العزت کی توفیق سے نبوت و رسالت کے دلائل کے بیان کا آغازکر رہے ہیں ۔ جس طرح قرآن مجید سے ہم نے سمجھا ہے ، اللہ تعالیٰ نے سات مختلف پہلوؤں سے نبوت و رسالت کو علمی اور عقلی سطح پر ایک ثابت شدہ حقیقت اور سچائی کے طور پر پیش کیا ہے ۔ ان میں سے پہلی دلیل یعنی قرآن مجید کا زبان و بیان کے پہلو سے معجزہ ہونے کی تفصیل آج ہم بیان کریں گے ۔
تاہم اس سے قبل ایک چیزکی وضاحت ضروری ہے ۔ وہ یہ کہ رسالت و نبوت کا انسٹی ٹیوشن اب تاقیامت چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہ ایمان ہی پر منحصر ہے اس لیے ہم دلائل نبوت، رسالت محمدمصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے پس منظر میں بیان کر رہے ہیں ۔ گرچہ قرآن میں سابقہ انبیا کی دعوت کے ساتھ ان کی سچائی کے دلائل بھی زیر بحث آ جاتے ہیں ۔مگرانبیائے سابقہ کی نبوت کے دلائل اِن دلائل سے مختلف نہیں ہوتے جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت و رسالت کے اثبات میں پیش کئے تھے ، اس لیے اُن کا بیان اِنھی کے ذیل میں ضمنی طور پر شامل ہو گا۔ مزید یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ سلسلہ نبوت و رسالت کی آخری کڑ ی ہیں ، اور آپ اپنے سے پہلے ہر نبی کی تصدیق کرتے ہیں ، اس لیے آپ کو ماننا دراصل اس پورے سلسلہ کو ماننے کے مترادف ہے ۔ اس لیے دلائل کے ضمن میں ساری بحث صرف حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے اثبات کے حوالے ہی سے ہو گی۔
انبیائے کرام کی بشریت اور مخاطبین کا کفر
انبیائے کرام کے متعلق قرآن مجید بالکل واضح ہے اور پوری مذہبی روایت اس کی مکمل تصدیق کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رشد و ہدایت اور ان تک اپنا پیغام پہنچانے کے لیے جن لوگوں کا انتخاب کیا وہ سب کے سب انسان تھے ۔انبیا علیھم السلام اپنے کردار و اخلاق میں چاہے کتنے ہی غیر معمولی کیوں نہ ہو، معاصرین کے لیے وہ بہرحال اپنے جیسے عام انسان ہوتے ہیں ۔ ۔ ۔ کھانے اور پینے والے انسان، ماں باپ کے بطن سے انسانی جسم لے کر پیدا ہونے والے انسان، بازاروں میں چلنے پھرنے والے انسان، بیوی بچے اور خاندان کے تعلقات میں گھرے ہوئے انسان، انسانی احتیاج اور عوارض کا شکار ہوجانے والے انسان، عام لوگوں کی طرح جذبات و احساسات رکھنے والے انسان۔
نبی اور رسول دعوت کے ساتھ مخاطبین کے لیے امتحان کی حیثیت بھی رکھتا ہے جس کو ماننے نہ ماننے پر ان کی نجات موقوف ہوتی ہے ، اس لیے عام طور پر وہ ایسے کسی ظاہری

وصف سے دور رکھے جاتے ہیں ، جن کی طرف لوگ خود ہی مائل ہوجائیں ۔ چنانچہ ایک نئی قوم میں جہاں نبی پہلی دفعہ آ رہا ہوتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ اسے کسی بادشاہ، سردار، سرمایہ داریا مذہبی پیشوا بنا کر نہیں بھیجتے ۔ کیونکہ یہی وہ خصائص ہیں جو معاشرے کے ممتاز لوگوں کوعام لوگوں سے بلند کرتے ہیں اور عام لوگ ان صفات کی حامل شخصیات کی پیروی شروع کر دیتے ہیں ۔ تاہم اس کا مطلب یہ نہیں کہ نبی کوئی بے حیثیت شخص ہوتا ہے ۔ ہر نبی اپنی سیرت و شخصیت ، ذاتی اور خاندانی وجاہت، مالی حیثیت ، عزت و شرافت اور سیرت و کردار میں ایک ممتاز اور بے مثل شخصیت کا حامل ہوتا ہے ۔ اسی لحاظ سے معاشرے میں اس کا مقام و مرتبہ بھی ہوتا ہے ۔ تاہم منصب وجاہ اور مال و دولت کی فراوانی کے لحاظ سے وہ غیر معمولی حیثیت نہیں رکھتا۔ یہ امتحان اس لیے برپا کیا جاتا ہے کہ لوگ نبی کی دعوت سے متاثر ہوں نہ کہ اس کے مقام و مرتبے سے ۔
مزید یہ کہ عام طور پر نبوت و رسالت کے منصب سے کسی ہستی کو اس وقت متصف کیا جاتا ہے ، جب وہ معاشرتی اعتبار سے بہت کم عمر ہوتا ہے ۔ یہ عمر چالیس برس کی ہوتی ہے ۔
قرآن مجید کے مطابق اور عام انسانی معاشرے کے لحاظ سے یہ ایک بہترین عمر ہوتی ہے جب انسان اپنی پختگی کی عمر کو پہنچ چکا ہوتا ہے اور اس کے باوجود اس کے جسمانی اور ذہنی قویٰ پوری طرح فعال ہوتے ہیں اور آئندہ کئی برس تک فعال رہنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں ۔ تاہم دنیوی اور معاشرتی اعتبار سے عام طور پرجو لوگ سیاسی، سماجی اور مذہبی قیادت کے منصب پر فائز ہوتے ہیں وہ عمر کی پانچویں اور چھٹی دہائی میں یا اس سے بھی زیادہ سن رسیدہ ہوتے ہیں ۔ایسے میں معاشرے کی لیڈرشپ کو یہ نبی ایک عام انسان ہونے کے ساتھ عمر اورسماجی مرتبے میں عام طور پر اپنے سے بہت کمتر لگتا تھا۔
پھر نبی معاشرے کی مسلمہ روایات اور اقدار جو عام طور پر شرک پر مبنی ہوا کرتی تھیں ، ان کے خلاف ایک دعوت لے کر اٹھتا ہے ۔ وہ ایک مختلف، اجنبی بلکہ مخالفانہ نوعیت کی دعوت ہوتی ہے جسے قبول کرنے کے نتیجے میں ان کا سارا سیاسی، سماجی اور مذہبی ڈھانچہ درہم برہم ہوجانے کا اندیشہ ہوتا ہے ۔ آخری اور اہم ترین بات یہ ہوتی ہے کہ اس دعوت کو قبول کرنے کے نتیجے میں اس ساری لیڈرشپ کو اپنے مقام و مرتبے کو نظر انداز کر کے اور افکار و نظریات کورد کر کے نبی کی سیادت و قیادت قبول کرنا ہوتی ہے ۔ یہ ساری باتیں نفسیاتی طور پر ایک ناقابل عبور رکاوٹ بن جاتی ہیں اور انبیاء کے مخاطبین پہلے مرحلے ہی میں ان کی دعوت رد کر دیتے ہیں ۔

معجزے کی ضرورت

تاہم یہ دعوت علم عقل کے جن مضبوط دلائل پر مبنی ہوتی ہے ، وہ اپنی جگہ ناقابل تردید ہوتے ہیں ۔ ان دلائل کی تفصیل ہم پیچھے توحید وآخرت کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں ۔یہ دلائل اتنے طاقتور ہوتے ہیں کہ معاشرے کے بلند حوصلہ لوگ، کمزور اور نوجوان طبقات جوق در جوق اس دعوت کو قبول کرنے لگتے ہیں ۔مخالفین لاکھ زور لگالیں وہ علم و عقل کے لحاظ سے انبیاء کرام کی دعوت کو کسی طور رد نہیں کرپاتے ۔ ایسے میں اپنی اخلاقی برتری قائم رکھنے کا ان کے پاس ایک ہی ذریعہ ہوتا ہے کہ انبیا علیھم السلام سے مطالبہ کریں کہ وہ اپنے من جانب اللہ ہونے کا کھلا اور اعلانیہ ثبوت کسی خارق العادت واقعے جسے عام طورپر معجزہ کہا جاتا ہے ، کی شکل میں پیش کریں ۔ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جس ا سکیم کے تحت

دنیا میں بھیجا ہے وہ بن دیکھے ایمان لانے کے امتحان پر مبنی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی کسی معجزے کی شکل میں کھلی مداخلت اس ا سکیم کو باطل کرنے کے ہم معنی ہوتی ہے ۔ چنانچہ اکثر انبیا علیھم السلام کو اسی بنیاد پر معجزات نہیں دیے جاتے ۔ لیکن اگر قوم کے مسلسل سوال اورمطالبہ پر کوئی خاص معجزہ دیا جاتا ہے تو پھر اس کے بعد کفرکی پاداش میں قوم کو فوراً ختم کر دیا جاتا ہے ۔اس کی ایک بڑ ی نمایاں مثال حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ہے جس کی فرمائش پر انھیں معجزانہ طریقے پر ایک اونٹنی کا معجزہ دیا گیا اوریہ بتادیا گیا کہ اس کوہاتھ لگانے کی صورت میں ان کو ختم کر دیا جائے گا۔

معجزے کی دو قسمیں

اس تفصیل سے یہ معلوم ہو اکہ معجزہ کسی نبی یا رسول کی دعوت کا کوئی لازمی حصہ نہیں ہوتا۔ تاہم اس کے باوجود انبیا علھیم السلام کی سیرت میں اگر معجزات نظر آتے ہیں تو اس کی وجہ صرف یہی ہوتی ہے کہ قوم اس کے بغیر مان کر ہی نہیں دیتی۔چنانچہ اتمام حجت کے لیے آخرکار ان کی فرمائش پر رسولوں کو معجزات عطا کیے جاتے ہیں ۔ معجزے عطا کیے جانے کی ایک دوسری ضرورت اس پہلو سے ہوتی ہے کہ جب انبیاء ورسل کے مخاطبین کچھ ایسے لوگ ہوں جن کے بارے میں اندیشہ یہ ہو کہ یہ لوگ معجزہ دیکھے بغیر کوئی بات سننے پر تیار ہی نہیں ہوں گے ۔ایسے معجزات اتمام حجت کے لیے نہیں دیے جاتے بلکہ ان کی نوعیت نبوت و رسالت کے ایک ایسے ثبوت کی ہوتی ہے جس کی وجہ سے مخاطبین نبی کی بات سننے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں اور پہلے مرحلے ہی پر رسول پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش نہیں کرتے ۔ اس کی ایک بڑ ی مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہے جن کو اپنے دور کے جابر حکمران فرعون کے مقابلے میں بھیجا گیا تھا۔ چنانچہ ان کو یدبیضا اور عصا کے سانپ میں بدل جانے کا معجزہ دیا گیا جو ابتداء ہی سے ان کے من جانب اللہ ہونے کا نشان تھا ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ :قرآن مجید

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کفار کی بار بار فرمائش کے باوجود پہلی نوعیت کا کوئی معجزہ نہیں عطا کیا تھا۔کیونکہ جنھوں نے نہیں ماننا تھا وہ معجزہ دیکھ کر بھی نہیں مانتے ، مگر اس کی پاداش میں قوم کی ہلاکت کی نوبت آ جاتی جو منشائے الٰہی نہ تھی۔ آپ کو دیا جانے والا معجزہ دوسری نوعیت کا تھا۔ یعنی حضرت موسیٰ کی طرح جنھیں ابتدائے رسالت میں معجزہ دیا گیا آ پ کو بھی ابتدا ہی سے ایک ایسے معجزے سے نوازا گیا جس کا جواب قریش آخری وقت تک نہ لا سکے ۔ یہ معجزہ قرآن مجید کی زبان و بیان کا معجزہ تھا۔

اہل عرب کے متعلق تاریخی طور پر معلوم ہے کہ ان کے ہاں شعر وخطابت کا بڑ ا غیر معمولی ذوق تھابڑ ے بڑ ے قادر الکلام شعرا اور خطیب وہاں ہر طرف اپنے جوہر دکھاتے اور لوگوں سے داد و تحسین وصول کرتے ۔ یہ ان کے ذوق جمال کی تسکین، قبائلی مفاخرت کے اظہار، تاریخی و تمدنی سرمائے کے حفظ و بیان کا ایک اہم ذریعہ تھا۔وہاں ہر مرد و زن، آزاد و غلام کو شعر و سخن کا ذوق تھا۔وہ شعر کہتے تھے اور اس کی باریکیوں کو سمجھتے تھے ، اور اس کے ماہرین کو اپنے سر پر بٹھاتے اور ا ن کے کلام کو بطور اعزازکعبہ کی دیواروں پر لٹکاتے تھے ۔ان کا کلام زندگی کے ہر شعبے کو محیط تھا۔ اخلاقی بیانات، قبائلی مفاخرت، رزمیہ داستانیں ، تاریخ کے واقعات، قوم کی تہذیب وثقافت کی آئینہ داری، حسن و عشق کا بیان، فطرت کی عکاسی غرض ان کا شعر اور ان کا خطبہ زندگی کے ہر شعبے کا احاطہ کرتا اور ہر طبقہ

میں اس کے ماہرین قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے ۔بلکہ ان کے غیر معمولی شعراء کے بارے میں یہ تصور کیا جاتا تھا کہ ان کو جن یہ کلام الہام کرتے ہیں ۔
ایسے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت کیا اور توحید و آخرت پر مبنی اپنی دعوت کو پیش کیا۔وہ سارے مسائل جن کا ذکراوپر ہم نے کیا، ان کی بنیاد پر قریش کی لیڈر شپ نے اس دعوت کو ابتداء ہی میں رد کر دیا۔تاہم یہ دعوت عام لوگوں میں تیزی کے ساتھ اپنی جگہ بنانے لگی۔اس قبولیت میں جہاں دعوت حق کے وہ عقلی و فطری مقدمات تھے جن کو ہم دلائل قرآن کے نام سے بیان کر رہیں ، وہیں خود قرآن مجید کا طرز و آہنگ اورحسن ادا اس میں بنیادی کردار ادا کر رہے تھے ۔ یہ کلام جو نہ نثر نہ نظم، نہ شعر تھا نہ نغمہ مگر اپنے اندر کلام کے حسن کی ہر خوبی کو لیے ہوئے تھا۔ جو سنتا اس سے متاثر ہوجاتا۔ جس کے کانوں میں یہ آواز پہنچ جاتی ، اس کے قدموں کی زنجیر بن جاتی۔جو شخص اس کلام کو پاتا اس کے سحر میں گرفتار ہوجاتا ہے ۔یہ کلام کسی اجنبی زبان میں نہ تھا۔ یہ اسی زبان میں تھا جسے قریش بولتے تھے ۔ وہی الفاظ اس کلام کوترتیب دے رہے تھے جو قریش کا روز مرہ اور محاورہ تھے ۔ مگر اسلوب کی ندرت ، زبان کی فصاحت، مدعا کی بلاغت، لہجے کی چاشنی اور مضمون کی ادائیگی میں جو جو موسیقیت، ادبیت اور مقصدیت بیک وقت موجود ہیں ، انھوں نے اس کو زبان و بیان کا ایک لافانی معجزہ بنادیا تھا۔
اسی معجزانہ حیثیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو عربوں کے سامنے پیش کیا اور یہ چیلنج دیا کہ تم سمجھتے ہو کہ تمھارے یہ صاحب ہم پر اپنی طرف سے جھوٹ گڑ ھ رہے ہیں تو تم بھی اس کلام کی مانند بنا کر لے آؤ۔ پورا کلام نہ سہی دس سورتیں بنالو۔ یہ زیادہ ہیں تو ایک سورت ہی اس جیسی لے آؤ۔ یہ چیلنج عربیت سے ناواقف اور شعر و ادب سے بے ذوق لوگوں کو نہیں دیا گیا بلکہ ان کو دیا گیا زبان جن کا سرمایہ افتخار تھی اور شعر جن کا ذوق و جنوں تھا۔صاحب قرآن کی تردید کرنے ، ان کو جھوٹا ثابت کرنے اوران کی دعوت کی اخلاقی حیثیت ختم کرنے کا یہ آسان ترین نسخہ تھا۔ مگر قریش نے ہر طرح کی مخالفت کی، الزام و بہتان لگائے ، ظلم و تشدد کیے ، ملک و وطن چھوڑ نے پر لوگوں کو مجبور کیا، جنگ و جدال کو مسلط کیا، مگر قرآن جیسی ایک سورت بنا کر لانے کی کسی کوشش کا کوئی تذکرہ کہیں نہیں ملتا۔بلکہ عرب کے سب سے بڑ ے شاعروں میں سے ایک لبیدجن کا شمار شعرائے سبع معلقہ میں ہوتا ہے یعنی جن کے کلام کی عظمت کے اعتراف میں اسے کعبہ کی دیوار پر لٹکایا گیا۔ اور جن کے ایک شعر پر فرذوق جیسا شاعر سجدہ ریز ہو گیا اس کلام کی عظمت کے سامنے اس طرح بے زبان ہوئے کہ جب حضرت عمر نے ان سے شعر سنانے کی فرمائش کی تو بول اٹھے کہ بقرہ اور آل عمران کے بعد کیا شعر کہوں ۔یہ قرآن کی عظمت کا اعتراف تھا جو اس دور کے سب سے بڑ ے شاعر نے عرب کی پوری شعری اور ادبی روایت کی ترجمانی کرتے ہوئے کیا۔
قرآن کا یہی پہلو اس کا وہ معجزہ تھا جس نے قرآن مجید کے ابتدائی مخالفین یعنی قریش مکہ کو لاجواب کر دیا تھا۔یہی آ پ کی سچائی اور من جانب اللہ ہونے کا وہ ثبوت ہے جس کا اقرار قریش نے جواب نہ دے کر کر دیا۔

ایک سوال

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم کے بعض لوگوں نے بھی اور آج بھی عربی زبان سے کچھ شد بد رکھنے والے لوگوں نے ردیف و قافیہ کی پابندی کرتے ہوئے کچھ سخن سازی

کر کے یہ دعویٰ کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ قرآن جیسا کلام ہے ۔تاہم یہ احمق اور غبی قسم کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ردیف و قافیہ کی پابندی کرنے سے اعلیٰ کلام وجود میں آ جاتا ہے ۔ تاہم یہ ایسی بے وقوفی کی بات ہے کہ کبھی ماضی میں کسی نے ایسی کسی بات کو سنجیدگی سے سننے کی کوشش کی ہے نہ آج کوئی سنجیدہ آدمی ایسی کسی بے ہودگی پر توجہ دینے کی کوئی زحمت گوارا کرتا ہے ۔ تاہم عام لوگوں کے لیے ہم صرف یہ توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ یہ کام کرنا اتنا ہی آسان ہوتا تو دنیا میں کسی قوم یا فرد کو صاحب قرآن سے ابوجہل اور ابو لہب سے زیادہ دشمنی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ قرآن اور صاحب قرآن نے ان کے لیے موت اور زندگی کا مسئلہ پیدا کر دیا تھا۔ یہ ان کی موت اور زندگی کا مسئلہ بھی تھا اور ان کے مذہب اور روایت کی موت و زندگی کا مسئلہ بھی تھا۔ پھر ان کو یہ چیلنج ایک ایسے دور میں دیا گیا جب مسلمان مادی طور پر انتہائی کمزور تھے ۔ان کا کل سرمایہ ان کی اخلاقی حیثیت تھی۔ ایسے میں کوئی جھوٹا نبی اتنا بڑ ا چیلنج نہیں دے سکتا کہ اس جیسا کلام بنا کر لے آؤ۔ اور اگر وہ سچے نہ ہوتے تو سوال یہ ہے کہ پھر قریش کو کس نے مجبور کیا تھا کہ جو بے ہودہ قسم کی تک بندی بعد کے کچھ احمقوں کو سوجھی ، وہ کیوں نہ کر دیتے ۔ بات صرف یہ تھی کہ وہ ایسا کوئی کام کرتے تو عرب اور خاص کر قریش کا ہر شخص پکار اٹھتا کہ یہ قرآن کے مقابلے کا کلام نہیں ۔ چنانچہ قرآن کا دعویٰ مکمل طور پر سچا ثابت ہوجاتا ۔ چنانچہ قریش نے آپ کو جھوٹا کہا، جادوگر کہا، کاہن کہا، مگر اس چیلنچ کا جواب دینے کی کوشش کسی نے نہ کی۔قرآن مجید کی سچائی کی یہ دلیل اصلاً قریش کے زبان دانوں اور عربیت کے اداشناسوں ہی کے سامنے پیش کی گئی تھی۔ ان کے پاس اعتراف عجز کے سوا کوئی راستہ نہ تھا۔ جب اس چیلنج کے اصل مخاطبین ہی اس کا جواب نہ دے سکے تو کسی اور کے جواب کی نہ ضرورت ہے اور نہ اہمیت۔ ضرورت اس لیے نہیں کہ رسالت کی سچائی کی یہ دلیل دنیا بھر کونہیں عربوں کو دی گئی تھی۔ اور اہمیت اس لیے نہیں کہ اصل زبان بولنے والے جواب نہ لا سکے تو کسی اور کی کیا وقعت کہ وہ قرآن کا جواب پیش کرسکے ۔ زبان و بیان کے پہلو سے قرآن مجید کے معجزہ ہونے کی اس بحث کو ہم قرآن کے ایک معاصر، مخالف، عربی زبان کے ناقدولید بن مغیرہ کی گواہی پر ختم کرتے ہیں ۔اس گواہی کے بعد کسی مخالف کے اعتراض اور کسی معاند کی تنقید کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔

’’بخدا ، تم میں سے کوئی شخص مجھ سے بڑ ھ کر نہ شعر سے واقف ہے نہ رجز اور قصیدہ سے اور نہ جنوں کے الہام سے ۔ خدا کی قسم ، یہ کلام جو اِس شخص کی زبان پر جاری ہے ، اِن میں سے کسی چیز سے مشابہ نہیں ہے ۔ بخدا ، اِس کلام میں بڑ ی حلاوت اور اِس پر بڑ ی رونق ہے ۔ اِس کی شاخیں ثمر بار ہیں ، اِس کی جڑ یں شاداب ہیں ، یہ لازماً غالب ہو گا، اِس پر کوئی چیز غلبہ نہ پا سکے گی اور یہ اپنے نیچے ہر چیز کو توڑ ڈالے گا۔‘‘ ، (السیرۃالنبویہ ، ابن کثیر 1/499)

قرآنی بیانات

’’کہہ دو کہ میں توبس تمہاری ہی طرح ایک بشر ہوں ۔ مجھ پر وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود بس ایک ہی معبود ہے ۔ پس جو اپنے رب کی ملاقات کا متوقع ہو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے ۔‘‘ (الکہف110: 18)

’’اگر اس قرآن کو ہم کسی پہاڑ پر اتارتے تو تم دیکھتے کہ وہ خشیت الٰہی سے پست اور پاش

پاش ہو جاتا اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ سوچیں ۔'' (حشر 21:59)
''کیا یہ کہتے ہیں کہ اس (قرآن)کو اس نے خود ہی گھڑ ا ہے ! بلکہ یہ ایمان نہیں لانا چاہتے ۔ پس یہ اس کے مانند کوئی کلام لائیں ، اگر یہ سچے ہیں ۔'' (الطور33-34: 52)
''اور یہ قرآن ایسی چیز نہیں ہے جو اللہ سے پرے پرے ہی گھڑ لیا گیا ہو۔ بلکہ یہ تصدیق ہے ان پیشین گوئیوں کی جو اس کے پہلے سے موجود ہیں اور کتاب کی تفصیل ہے ۔ اس کے خداوند عالم کی طرف سے ہونے میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے ۔
کیا وہ کہتے ہیں کہ اس(قرآن) کو اس نے گھڑ لیا ہے ؟ ان سے کہو تو تم لاؤ اس کے مانند کوئی سورہ اور بلا لو اللہ کے سوا جن کو تم بلا سکو، اگر تم سچے ہو۔''(یونس37-38: 10)
''کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے اس(قرآن) کو گھڑ لیا ہے ؟ ان سے کہو کہ پھر تم ایسی ہی دس سورتیں گھڑ ی ہوئی لاؤ اور اللہ کے سوا جن کو تم بلا سکو ان کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو۔''
(ہود13: 11)
''کہہ دو کہ اگر تمام انس و جن اس بات پر اکٹھے ہو جائیں کہ اس جیسا قرآن لا دیں تو وہ اس جیسا نہ لا سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں ۔''
(بنی اسرائیل88:17)
''اگر تم اس چیز کی جانب سے شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے تو لاؤ اس کے مانند کوئی سورہ اور بلا لو اپنے حمایتیوں کو بھی اللہ کے سوا، اگر تم سچے ہو'' (البقرہ23:2)
[جاری ہے]

مبشر نذیر
ترکی کا سفرنامہ(28)

1980ء کے عشرے میں وزیر اعظم ترگت اوزال نے بہت سی معاشی اصلاحات کیں جن کے نتیجے میں اسلام پسندوں کو مزید فروغ حاصل ہوا۔ اس سے پہلے ترکی کی معیشت پر زیادہ تر کنٹرول حکومت کا تھا۔ انہوں نے پرائیویٹ سرمایہ کاری کی اجازت دے دی۔ اس کے نتیجے میں امیر مذہبی لوگوں نے سرمایہ کاری کرنا شروع کی اور بہت سے کاروباروں پر چھا گئے ۔ بہت سے پرائیویٹ ا سکول اور یونیورسٹیاں بنائی گئیں جن میں سے بہت سی اسلام پسندوں کی ملکیت تھیں ۔ متعدد ٹیلی وژ ن چینل قائم ہوئے جس کے نتیجے میں اسلام پسندوں کو اپنا پیغام پہنچانے کا موقع مل گیا۔
صنعتوں کے قیام کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ دیہات سے لوگ شہروں کی طرف منتقل ہونے لگے ۔ ترکی کے زیادہ تر شہر مغرب زدگی کی لپیٹ میں آ چکے تھے جبکہ ان کے دیہات میں ابھی تک دین کو اہمیت دی جاتی تھی۔ جب یہ دیہاتی شہروں میں آئے تو انہیں بالکل ہی مختلف ماحول سے سابقہ پڑ ا۔ دوسری طرف شہر میں سیٹل ہونا ان کے لئے آسان نہ تھا۔ ان کے مسائل کے حل کے لئے اسلام پسند سیاسی جماعتوں کے کارکن آگے بڑ ھے ۔ انہوں نے دیہات سے آنے والوں کو نوکری کی تلاش سے لے کر تعلیم اور میڈیکل کی سہولیات فراہم کیں ۔ اس کا

نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام پسند جماعتوں کو عوام میں زبردست پذیرائی حاصل ہوئی۔
اس پورے عرصے میں سماجی سطح پر "ملی گورش" تحریک چل رہی تھی جو کہ بدیع الزمان سعید نورسی کے نظریات کی پرچارک تھی۔ اس تحریک کے نتیجے میں بہت سے لوگ دین کی طرف مائل ہو رہے تھے ۔ اس تحریک کے سابق کارکنان میں نجم الدین اربکان بھی شامل تھے ۔ انہوں نے قومی آرڈر پارٹی یا MNP کے نام سے ایک سیاسی جماعت بنائی جسے فوج نے مداخلت کر کے خلاف قانون قرار دے دیا۔ اس کے بعد انہوں نے 1972ء میں قومی نجات پارٹی یا MSP کی بنیاد رکھی۔ ان کا نعرہ تھا کہ ترکی کے مسائل کا واحد حل یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات کی طرف واپس جایا جائے ۔
1973ء کے الیکشن میں MSP نے تیسری پوزیشن حاصل کی اور کمالسٹ پارٹی کے ساتھ اتحاد کر کے حکومت میں شمولیت اختیار کی۔ بعد میں یہ لوگ سلیمان ڈیمرل کی حکومت میں شریک رہے ۔ 1980ء میں فوج نے مداخلت کر کے اقتدار پر قبضہ کر لیا اور مارشل لاء نافذ کر کے MSP کو خلاف قانون قرار دے دیا۔ اس کے بعد اربکان نے 1983ء میں نئی رفاہ پارٹی کی بنیاد رکھی۔
اسلام پسندوں نے عوامی فلاح و بہبود کے پراجیکٹس کے ذریعے ان کی حمایت حاصل کرنے کی اپنی حکمت عملی کو جاری رکھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ 1994ء کے بلدیاتی انتخابات میں رفاہ پارٹی نے 28 شہروں میں اکثریت حاصل کر لی جن میں استنبول اور انقرہ بھی شامل تھے ۔ 1995ء کے قومی انتخابات میں بھی رفاہ پارٹی کو اکثریت حاصل ہو گئی جس کے نتیجے میں اربکان وزیر اعظم بن گئے ۔
رفاہ پارٹی کی کامیابی کی اصل وجہ اس کا عوامی نیٹ ورک تھی۔ یہ نیٹ ورک قائم کرنے میں اس کی خواتین ورکرز کا بہت بڑ ا ہاتھ تھا۔ ان خواتین نے گھر گھر جا کر تعلیم اور صحت کی سہولیات فراہم کیں جس کی وجہ سے رفاہ پارٹی کے عوامی نیٹ ورک کو غریب طبقے میں فروغ حاصل ہوا۔
ترکی کی فوج نے نیشنل سکیورٹی کونسل کے نام سے ادارہ قائم کیا ہوا ہے جس کے ذریعے فوج نے ملک کے اقتدار پر قبضہ کیا ہوا ہے ۔ یہی تجربہ پاکستان کے ایک فوجی ڈکٹیٹر نے کرنے کی کوشش کی تھی۔ 1997ء میں اس کونسل نے اربکان کو استعفی دینے پر مجبور کر دیا اور اگلے برس رفاہ پارٹی پر پابندی عائد کر دی گئی۔ اس کے بعد فوج نے کھلے عام اسلام پسندوں کے نظریات کے خلاف مہم چلانا شروع کر دی۔ اربکان نے فضیلت پارٹی کے نام سے ایک اور پارٹی بنائی جس پر آئینی عدالت نے 2001ء میں پابندی عائد کر دی۔
اس کے بعد اسلام پسندوں کے دو حصے ہو گئے ۔ ایک حصہ سعادت پارٹی اور دوسرا انصاف و ترقی پارٹی (AKP)کی صورت اختیار کر گیا۔
2002ء کے انتخابات میں AKP کو زبردست کامیابی حاصل ہوئی۔ انہیں 34% و وٹ ملے جبکہ دوسرے نمبر آنے والی کمالسٹ پارٹی CHP کو محض 19% و وٹ مل سکے ۔ اربکان مغربی ممالک کے سخت خلاف تھے اور ان کی نظریاتی بنیاد ہی مغرب کی مخالفت پر تھی۔ اس کے برعکس AKP نے مغربی ممالک سے اچھے تعلقات قائم رکھے اور مغرب کی سیاسی اقدار جیسے انسانی حقوق، جمہوریت اور قانون کے احترام پر زور دیا۔ AKP کی کامیابی کی بڑ ی وجہ یہ تھی کہ عوام سیکولر پارٹیوں کی کرپشن سے سخت نالاں تھے اور اب تبدیلی چاہتے

تھے ۔ AKP نے اپنے دور اقتدار میں عوام کی خدمت کو نصب العین بنایا جس کے نتیجے میں 2007ء کے انتخابات میں انہیں پہلے سے بڑ ھ کر کامیابی ملی۔ انہوں نے 46% و وٹ حاصل کئے اور بغیر کسی سے اتحاد بنائے یہ پارٹی حکومت بنانے کے قابل ہو گئی۔
اس کے بعد سے لے کر اب تک AKP کی حکومت ہے ۔ مذہبی ترکوں کی اس جدوجہد میں ہمارے ملک کی مذہبی جماعتوں کے لئے کچھ سبق موجود ہیں ۔
سب سے پہلا سبق تو یہ کہ کوئی بھی سیاسی جماعت عوام کی حمایت کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی۔ ہماری مذہبی اور غیر مذہبی سیاسی جماعتوں نے کبھی عوام کے اصل مسائل کو اپنا موضوع نہیں بنایا۔ عوام کا اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ آئین میں کیا تبدیلیاں کی جائیں ؟ اختیارات صدر کے پاس ہوں یا وزیر اعظم کے ؟ عوام کا اصل مسئلہ کرپشن، مہنگائی، بجلی کی فراہمی اور بے روزگاری کا خاتمہ ہے ۔ تعلیم اور صحت کی سہولیات فراہم کرنا ان کی بنیادی ضرورت ہے ۔ اس طریقے پر عمل کر کے ترکی کی اسلام پسند جماعتوں نے کامیابی حاصل کی ہے ۔ اگر ہماری مذہبی جماعتیں واقعتاً دین اور ملک سے مخلص ہیں تو انہیں بھی یہی روش اختیار کرنی چاہیے ۔
لیکن افسوس کہ ہماری مذہبی جماعتوں کا تصور مختلف ہے ۔ ان کے خیال میں چونکہ وہ دین کا نام استعمال کرتے ہیں ، اس وجہ سے تمام مسلمانوں کا یہ دینی فریضہ ہے کہ وہ انہیں و وٹ دیں ۔ جو انہیں و وٹ نہیں ڈالتا، وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے یا کم ازکم انتہائی گناہ گار ہوتا ہے ۔ پچھلے الیکشن میں ایک صاحب نے تو یہ فتوی جاری کیا کہ ان کا انتخابی
نشان ''کتاب'' قرآن مجید ہے ۔ جو اسے و وٹ نہیں دے گا، اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا۔ لیکن لوگوں نے اس فتوے کو کوئی اہمیت نہ دی۔اسلام میں سیاست عوام کی خدمت کا نام ہے ۔ جو عوام کی خدمت میں جتنا مخلص ہو گا، اس کی سیاست اتنا ہی اسلام کے قریب ہو گی۔
اس جدوجہد میں دوسرا سبق یہ ملتا ہے کہ مذہبی حضرات کو سیکولر لوگوں کی نسبت بہتر اخلاق اور کردار کا مظاہرہ کرنا چاہیے ۔ ترکی کی سیاست میں سیکولر سیاست دان کرپشن اور بددیانتی کا نشان بن کر رہ گئے تھے ۔ مذہبی سیاست دانوں نے اچھے کردار کا مظاہرہ کیا جس کی وجہ سے انہیں عوام کی حمایت حاصل ہوئی۔ بدقسمتی سے ہمارے مذہبی اور سیکولر سیاستدان کرپشن میں ایک دوسرے کا مقابلہ کر رہے ہیں ۔
ترکی کے مذہبی سیاستدانوں کی جدوجہد کا تیسرا سبق یہ ہے کہ پوری تیاری کے بغیر طاقتور سے ٹکرانے کے نتیجے میں نقصان اپنا ہی ہوتا ہے ۔ ترکی کی فوج اور اشرافیہ میں سیکولرازم کی جڑ یں بہت گہری ہیں ۔ یہاں کے مذہبی سیاست دانوں نے متعدد بار سیکولر فاشزم کا براہ راست مقابلہ کرنے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں انہیں پابندیوں کا سامنا کرنا پڑ ا۔ ہمارے ہاں بھی یہی معاملہ رہا ہے ۔ موجودہ حکومت نے اس ضمن میں بڑ ی مناسب حکمت عملی اختیار کر رکھی ہے ۔ اس کی بجائے اگر ہمارے راہنما پوری توجہ اپنی تعمیر پر دیں تو کچھ ہی عرصے میں وہ اس مقام پر آ سکتے ہیں جہاں وہ کوئی مثبت کردار ادا کر سکیں ۔
[جاری ہے]

پروین سلطانہ حنا
غزل
ہم سادہ لوح حق کے طلبگار ہو گئے
جو وقت کے غلام تھے سردار ہو گئے
عزت کا تاج ان کے ہی سر پر رکھا گیا
جو لوگ اُن کے حاشیہ بردار ہو گئے
جو اہل زر ہیں اُن کا زمانہ ہے معترف
جس نے بھی دیکھا اُن کے طرفدار ہو گئے
قدریں بدلتا وقت، زمانے کی گردشیں
جینے کے راستے بھی تو دشوار ہو گئے
ہم نے بھی مصلحت کا لبادہ پہن لیا
پھر یوں ہوا کہ ہم بھی اداکار ہو گئے
غم سے نبرَد آزما اکثر رہا یہ دل
نا مہربان لوگ، دل آزار ہو گئے
ہے منحصر تمہاری رضا پر میری خوشی
تم کو سکھی جو دیکھا، تو سرشار ہو گئے
وعدہ ہے اہلِ صبر کا حامی ہے خود خدا
چلتے رہو کہ راستے ، گلزار ہو گئے
اُس نے سخن میں دردؔ کی تاثیر ڈال دی
ہم اِس لیے حِناؔ کے پرستار ہو گئے
ابو یحییٰ کی کتابیں
آخری جنگ
شیطان کے خلاف انسان کا اعلان جنگ

حکمت کی باتیں
حکمت کی وہ باتیں جو دنیاوآخرت میں کامیابی کی ضامن ہیں

ملاقات
اہم علمی، اصلاحی ، اجتماعی معاملات پر ابو یحییٰ کی ایک نئی فکر انگیز کتاب

کھول آنکھ زمین دیکھ
مغرب اور مشرق کے سات اہم ممالک کا سفرنامہ

جب زندگی شروع ہو گی
ایک تحریر جو ہدایت کی عالمی تحریک بن چکی ہے

قسم اس وقت کی
ابویحییٰ کی شہرہ آفاق کتاب''جب زندگی شروع ہو گی''کا دوسرا حصہ

مغفرت اور اجر کا وعدہ کن لوگوں کے لیے ہے
''بالیقین جومرداورجوعورتیں مسلم ہیں ،
مومن ہیں ،
فرمانبردار ہیں ،
راست بازہیں ،
صابرہیں ،
اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں ،
صدقہ دینے والے ہیں ،
روزہ رکھنے والے ہیں ،
اپنی شرم گا ہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں ،
اوراللہ کوکثرت سے یادکرنے والے ہیں ، اللہ نے ان کے لیے مغفرت اوربڑ ا اجر مہّیا کر رکھا ہے -'' (الاحزاب:33 35)
حدیث: ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے ، یکایک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک شخص آیا اور اس نے (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے) پوچھا کہ اسلام کیا چیز ہے ؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ شرک نہ کرو اور نماز پڑ ھو اورفرض زکوۃ ادا کیا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔